سہ ماہی

مجلہ

رُشد و ہدایت

جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

9559999984

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن، سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276405

EMAIL: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی

مجلّہ

رُشد وہدایت

شمارہ نمبر:۲	ربیع الثانی تا جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۶ء)	جلد نمبر:۱

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی

9235327576

مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

9559999984

مجلس ادارت

مولانا ضیاءالدین صاحب قاسمی ندوی

مولانا انواراحمد صاحب خیرآبادی اعظمی

ڈاکٹر محمد الیاس صاحب الاعظمی

مولانا ڈاکٹر محمد ارشد صاحب قاسمی لال گنج

مولانا عبداللہ خالد صاحب قاسمی خیرآبادی

مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب اعظمی

مولانا عبدالباسط صاحب قاسمی سعودی عرب

مجلس مشاورت

جناب ابوالبیان سیٹھ صاحب (ممبئی)

جناب نسیم احمد خاں صاحب (سعودی عرب)

مولانا ابوطالب صاحب (بھیونڈی)

جناب شمیم احمد صاحب (امریکہ)

جناب محمد کاشف صاحب (ممبئی)

جناب ڈاکٹر محمد وامق صاحب (ممبئی)

جناب خورشید احمد صاحب (لکھنؤ)

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

آغازِ سخن	مدیر تحریر	۳
شیخ عبدالقادر جیلانی اور انکی تعلیمات	حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ	۵
رحمۃ للعالمین کی سیرت۔۔۔	مولانا محمد نجیب صاحب سنبھلی قاسمی	۱۱
نقوشِ مبارک پور	مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب	۲۱
اچھے نام رکھنے کی تاکید وترغیب	مولانا محمد احمد صاحب قاسمی	۳۶
تہجد گزار بندے	مولانا محمد عرفات اعظمی	۳۰
بہترین عورت	مولانا قمر الحسن قاسمی	۳۷
مومن کی تین خصلتیں	حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری	۴۶
تعارف وتبصرہ	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۴۸

زرِ تعاون

سالانہ: =/100 | فی شمارہ: =/25 | خصوصی: =/1000

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

اللہ کا بے انتہا شکر اور فضل ہے کہ اس نے مدرسہ تحفیظ القرآن سکھٹی مبارکپور کے ترجمان سہ ماہی مجلّہ ''رُشد وہدایت'' کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اس رسالے کا دینی وعلمی حلقوں میں جس طرح خیر مقدم کیا گیا اور اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا وہ ہمارے حوصلوں میں بلندی اور عزائم میں قوت وتوانائی کا باعث ہے۔ اس پر ہم بارگاہِ خداوندی میں سجدۂ شکر بجالاتے ہیں۔ اس دور میں جبکہ فیس بک، واٹس اپ اور انٹرنیٹ کے پروگراموں نے کتابوں، رسالوں اور مجلّات سے رغبت افسوسناک حد تک کم کردی ہے۔ گذشتہ شمارے میں ڈاکٹر گوہر مشتاق صاحب کے مضمون ''بجلی سے چلنے والے منشیات'' سے قارئین کو کچھ اندازہ ہوا ہوگا کہ اس وقت لوگوں کا اشتغال مذکورہ چیزوں سے کس قدر ہے۔ ایسے حالات میں کسی دینی رسالہ کا نکالنا دنیاوی نقطۂ نظر سے سراسر گھاٹے کا سودا ہے، لیکن ادارہ نے محض دین حنیف کی اشاعت وترویج کی غرض سے اشاعت کا قدم اٹھایا ہے، سود وزیاں سے قطع نظر ہمارا مطمح نظر صرف یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو دین اسلام کی تعلیمات اور شریعت کے احکامات کو لوگوں تک پہونچایا جائے۔ جیسا کہ ہم نے گزشتہ شمارے میں لکھا تھا کہ

'' جیسے مدرسہ دین اور علم دین کی نشر واشاعت کیلئے ہے اسی طرح یہ رسالہ بھی تبلیغ دین کے لئے ہے اس میں دنیاوی نفع ونقصان نہیں بلکہ اصل مقصود یعنی تبلیغ دین اور اشاعت علم پر نگاہ رہے کہ اس کے ذریعہ علم صحیح کو لوگوں تک پہونچایا جائے اور ان کے عقائد واعمال کی درستگی کی کوشش اس میدان سے بھی کی جائے، اسی نیت اور ارادے سے بنام خدا اس کا آغاز کیا جارہا ہے۔''

اللہ کا شکر ہے ہمیں اپنے مقصد میں توقع سے زیادہ کامیابی مل رہی ہے **فللّٰہ الحمد والشکر**
اب دوسرا شمارہ قارئین کی نذر کرتے ہوئے مسرت ہورہی ہے کہ کہ اگر اسی طرح لوگوں کی

توجہات اوران کی حوصلہ افزائی شامل حال رہی تو انشاء اللہ مجلّہ اپنی افادیت کی شہادت فراہم کرے گا اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں ہم اپنی تمامتر توانائی بھی صرف کرنے سے دریغ نہیں کریں گے۔
اس پُر آشوب دور میں جبکہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمان مطعون کئے جارہے ہیں، عالم اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر خطے اور ہر گوشے میں اسلامی معالم وآثار کو نشانہ بنایا جارہا ہے، خود اپنے وطن عزیز میں مسلمانوں کو ہر سطح پر ہراساں کیا جارہا ہے، گاؤکشی، لوجہاد اور اہانت رسول وغیرہ کے شوشے آئے دن چھوڑے جارہے ہیں،، اب تو بعض انتہا پسند تنظیموں کی جانب سے یہ مطالبہ بھی ہونے لگا ہے کہ اسلامی مدارس میں عربی اور اردو میں تعلیم دینے پر پابندی لگائی جائے اور قومی زبان ہندی کو مدارس میں ذریعۂ تعلیم بنانے کا قانون بنایا جائے، اس طرح کے مطالبات آئے دن سامنے آرہے ہیں جو مسلمانان ہند کے لئے ایک لمحۂ فکریہ ہیں۔

عالمی اور ملکی سطح پر ان بدلتے ہوئے حالات میں ہر مسلمان خاندان پر لازم ہے کہ وہ ہر ممکن طریقہ سے اپنی نئی نسل کو اسلامی تعلیمات سے آراستہ کریں تاکہ ان کے دلوں میں یہ بات پیوست ہوجائے کہ اسلام دشمن طاقتوں کی تدبیروں اور سازشوں کے اوپر ایک ہستی ایسی بھی ہے جس کے تصرف میں ساری کائنات ہے، ساری دنیا مل کر بھی مسلمانوں کو مٹانے اور انھیں زیر کرنے کا منصوبہ بنالے مگر اس کی کامیابی کا انحصار اسی ہستی کی مشیت پر ہے، ورنہ اس کی مشیت کے بغیر ہر سازش ناکام اور ہر منصوبہ بےکار ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں " وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئاً اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ". (سورہ آل عمران: ۱۲۰) یعنی اگر تمہارے اندر صبر اور تقویٰ کی صفت پیدا ہوجائے تو مخالفین کی سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں۔ صبر کہتے ہیں ثابت قدمی اور جماؤ کو یعنی انسان مخالفتوں سے نہ گھبرائے اور نہ ہراساں ہو، اور تقویٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہنا، اس کے احکام کو بجالانا اور ظاہر وباطن ہر اعتبار سے اس کی اطاعت کرنا۔ اگر یہ دونوں صفات ہمارے اندر اجتماعی طور پر پیدا ہوجائیں تو دشمن کی سازشیں ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، یہ وعدۂ خداوندی ہے۔

مجلّہ رشد وہدایت کا یہی مشن ہے کہ مضامین ومقالات کے ذریعہ ایمان ویقین اور اسلامی فکر وشعور میں پختگی پیدا کی جائے اور ہر فرد تک دین کا پیغام پہونچانے کا فریضہ انجام دیا جائے۔ امید ہے کہ اس جذبہ کی قارئین کرام عملی طور پر تائید کریں گے اور ہر گھر میں ''رُشد وہدایت'' کا چراغ روشن کرنے میں ہمارا بھرپور تعاون کریں گے۔ والاجر عنداللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اور ان کی تعلیمات

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

پچھلے شمارے میں ''عید میلاد النبی'' کے رسوم و بدعات کا تذکرہ کیا تھا۔ ربیع الاول کے بعد ربیع الآخر کا مہینہ ہے، اس مہینے کو ستم ظریفوں نے امت کی ایک بزرگ ہستی سے منسوب کر رکھا ہے، اور محض اپنی رائے سے، اللہ و رسول کی ہدایت و تلقین کے بغیر اسے اہمیت دے رکھی ہے۔ دین اسلام کی تعلیمات کی تکمیل زمانۂ رسالت میں ہی ہو چکی ہے، اب اس میں کسی طرح کے اضافے کی گنجائش نہیں، کوئی ایسی چیز یا کوئی ایسا کام جس کی اصل زمانۂ نبوت میں نہ ہو، اسے دین سمجھ کر اور دینی عمل بنا کر دین اسلام میں شامل کرنا درست نہیں ہے، اس طریقۂ عمل کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک حکم الٰہی کو چھپا لیا تھا، اس کو آپ کے بعد کسی نے ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کی جناب میں کس درجہ سنگین گستاخی ہے، دین کی ہر بات وحی الٰہی پر موقوف ہے، اور وحی الٰہی کا خاتمہ حضرت خاتم النبیین ﷺ پر ہو چکا ہے، آپ کے بعد اگر کوئی شخص دین کی کوئی ایسی بات بتانے یا ظاہر کرنے کا مدعی ہے، تو اول تو وہ حضرت پر کتمانِ شریعت کی تہمت لگاتا ہے، دوسرے وہ در پردہ وحی الٰہی کے اپنے اوپر نزول کا دعویٰ کرتا ہے، یعنی یہ کہ وہ بھی سرکار رسالتمآب ﷺ کی نبوت و رسالت میں شریک ہے، یہ شرک فی النبوۃ ہے! اسی لئے بدعت کا گناہ شرک کے قریب تر ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ علماء و مشائخ ہی سے دین کے باب میں رہنمائی ملتی ہے، ان کی اقتداء و پیروی سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے، دینی علوم اور دینی اعمال کے تحفظ و بقاء کے لئے سب سے بڑا ذریعہ انھیں علماء و مشائخ کا وجود مسعود ہوتا ہے۔ کسی بھی مذہب و ملت کے علماء اگر ناپید ہو جائیں، تو اس مذہب کا وجود ہی مٹ جاتا ہے، لیکن انسانی طبیعت کی پیچیدگی، اور اس کی کجروی دیکھئے، انھیں علماء اور انھیں مشائخ کا نام لے کر، انھیں سے عقیدت و محبت کا اظہار کر کے، انھیں کے دامن سے

وابستگی کا نعرہ لگا کر برخود غلط افراد بدعات وخرافات کو ایجاد کرتے ہیں، ان بزرگوں نے شرک سے سختی سے منع کیا ہوتا ہے، مگر ستم ظریفی دیکھئے کہ انھیں بزرگوں کو خدا کا شریک قرار دے دیا جاتا ہے، ان حضرات نے توحید واتباع سنت کی ندا پوری قوت سے لگائی ہوتی ہے، مگر انھیں کا نام لے کر توحید کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور بجائے سنت کے بدعات کو معیارِ محبت قرار دیا جاتا ہے۔

امت کے متعدد بزرگوں کے حق میں یہ کجروی اختیار کی گئی ہے، بلکہ خود توحید کے سب سے عظیم منادی، حضور سرور عالم ﷺ کی ذاتِ گرامی کو بھی ظالموں نے شرک وبدعت کے لئے تختۂ مشق بنالیا ہے، چنانچہ کتنے لوگ ہیں جو حق تعالیٰ کی صفاتِ خاصہ کو حضور اکرم ﷺ کی طرف منسوب کرکے شرک کے عقائد واعمال میں گرفتار ہیں۔

آپ کے بعد حضراتِ صحابہ میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ اور نواسۂ رسول سیّدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام لے کر کتنے گمراہی کی دلدل میں پھنس رہے ہیں، اسی طرح اولیاء امت میں متعدد حضرات کو لوگوں نے عبدیت کے مرتبۂ بلند سے ہٹا کر ربوبیت والوہیت کے حدودِ ممنوعہ میں لے جانے کی کوشش کی ہے۔

ان اولیاءِ الٰہی میں سب سے زیادہ جن پر ستم ڈھایا گیا ہے، وہ ہیں سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ! جنھیں ''بڑے پیر صاحب'' اور ''غوث الاعظم'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ربیع الاول کے معاً بعد آنے والا مہینہ ربیع الآخران کے نام کے ساتھ موسوم ہے، میں نے اپنے بچپن میں بڑی بوڑھی عورتوں سے بارہا عربی مہینوں کے نام اس طرح سنے ہیں۔ محرم کے بجائے داہا، صفر کے بجائے تیرہ تیزی، ربیع الاول کے بجائے بارہ وفات، ربیع الآخر کے بجائے بڑے پیر صاحب، اس کے بعد دو ماہ جمادی الاولیٰ وجمادی الاخریٰ کے بجائے مدار اور خ مدّ ین (یعنی خواجہ معین الدین) ترتیب یاد نہیں، اس طرح اصل ناموں کے بجائے انھیں بزرگوں کے ساتھ منسوب کردیا گیا تھا۔

ربیع الآخر کو بڑے پیر حضرت سیّدنا شیخ عبدالقادر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، اور اس ماہ کی جو خصوصی رسم ہے وہ گیارہویں شریف ہے، ربیع الآخر کی گیارہ تاریخ کو زردہ پکا کر اس پر بڑے پیر صاحب کی نیاز دی جاتی ہے، اور اس رسم کا بڑا اہتمام ہوتا ہے، خیال ہوتا ہے کہ ١١/ ربیع الآخر کو حضرت کا انتقال ہوا ہے، لیکن مشہور مورخ ومحدث علامہ شمس الدین ذہبی نے **تاریخ الاسلام** اور **سیر اعلام النبلاء** میں ان کی تاریخ وفات ١٠/ ربیع الآخر لکھی ہے۔

لیکن گیارہ کی اہمیت اتنی بڑھی کہ وہ ایک خاص نماز کا جز بن گئی ہے، بعض لوگوں نے

عقیدت کے غلو میں ایک نماز ایجاد کرڈالی ہے، جس کا نام ''صلوٰۃ غوثیہ'' ہے، اس کا طریقہ اس طرح دیکھنے میں آیا ہے کہ دو رکعت قبلہ رو پڑھتے ہیں، پھر بغداد کی طرف جہاں حضرت شیخ کی قبر ہے رخ کر کے اس طرف گیارہ قدم چلتے ہیں، اور پھر نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو کر اللہ جانے کیا پڑھتے ہیں۔ایک وظیفہ بھی ان کے نام پر ایجاد کر رکھا ہے، وہ ہے **یاشیخ عبد القادر شیئاً للہ**، اے شیخ عبدالقادر اللہ کے واسطے کچھ عطا ہو، یہ وظیفہ خالص شرک ہے، جو ان کے نام پر گڑھا گیا ہے، اور اس کے علاوہ ان کی طرف ایسے ایسے واقعات وحالات منسوب کر رکھے ہیں جن کو نہ عقل روا رکھتی ہے اور نہ شریعت!

یہ بدعات وشرکیات اس ذات کے ساتھ منسوب ہیں جو علم وعمل کا مظہر اور بندگی وتواضع کا خوبصورت پیکر تھا، وہ ایک زبردست عالم اور فقیہ تھے، توحید میں ان کا قدم نہایت راسخ تھا، اتباع سنت ان کا خاص شعار تھا، علامہ ذہبی نے انھیں **الشیخ الامام، العالم، الزاھد، العارف، القدوۃ، شیخ الاسلام، علم الاولیاء** کے القاب سے یاد کیا ہے۔

ان کے مواعظ اور ان کے مقالات پڑھیے تو اندازہ ہوتا ہے کہ علم وفضل اور دین ودیانت کے کس مقام بلند پر وہ فائز تھے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت وجلال اور مخلوق کی کمزوری اور بے بسی ان کے سامنے کتنی واضح ہے، لیکن یہ کس قدر ستم ہے کہ وہی جو مخلوق کی بے بسی اور بے چارگی کو اس شدومد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، انھیں کے اختیار وقدرت کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وطاقت کے مرتبہ تک پہونچا دیتے ہیں، ذرا حضرت شیخ کا یہ کلام ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

> ''کل مخلوقات کو اس طرح سمجھو کہ بادشاہ نے، جس کا ملک بہت بڑا اور حکم سخت اور رعب داب دل کو ہلا دینے والا ہے، ایک شخص کو گرفتار کر کے اس کے گلے میں طوق اور پیروں میں کڑا ڈال کر ایک صنوبر کے درخت میں، ایک دریا کے کنارے جس کی موجیں زبردست، پاٹ بہت بڑا، گہرائی بہت زیادہ، بہاؤ بہت زوروں پر ہے، لٹکا دیا ہے اور خود ایک نفیس اور بلند کرسی پر کہ اس تک پہونچنا مشکل ہے، تشریف فرما ہے اور اس کے پہلو میں تیر و پیکان، نیزۂ وکمان اور ہر طرح کے اسلحوں کا انبار ہے، جن کی مقدار خود بادشاہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور ان میں جو چاہتا ہے اٹھا کر اس لٹکے ہوئے قیدی پر چلاتا ہے، تو کیا دیکھنے والے کیلئے جائز ہوگا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نظر ہٹالے، اور اس سے خوف وامید ترک کردے، اور لٹکے ہوئے قیدی سے امید اور خوف

رکھے، کیا جو شخص ایسا کرے عقل کے نزدیک بے عقل، بے وقوف، دیوانہ، چوپایہ اور انسانیت سے گرا ہوا نہیں ہے، خدا کی پناہ، بینائی کے بعد نابینائی، اور وصول کے بعد جدائی اور قرب وترقی کے بعد تنزل، ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے۔ (فتوح الغیب، مقالہ:۱۷)

جس مخلوق کو لوگ حق تعالیٰ کی قدرت وتصرف میں شریک ودخیل قرار دیتے ہیں، اس کی حیثیت حضرت شیخ کے اس کلام میں بغور ملاحظہ فرمائیے، اور دیکھئے کہ غیر اللہ کی بے چارگی کا کیا عالم ہے؟ اور اس کو مرکز نگاہ بنانے والا کس پستی میں گرا ہوا ہے۔

اپنے ایک وعظ میں توحید کے مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''ساری مخلوق عاجز ہے، نہ کوئی تجھے نفع پہونچا سکتا ہے نہ نقصان، بس صرف اتنا ہے کہ حق تعالیٰ اس کو ان کے ہاتھوں کرا دیتا ہے، اسی کا فعل تیرے اندر اور مخلوق کے اندر تصرف فرماتا ہے، جو کچھ تیرے لئے مفید ہے یا مضر ہے، اس کے متعلق اللہ کا قلم چل چکا ہے، اس کے خلاف نہیں ہوسکتا، جو موحد اور نیکوکار ہیں، وہ باقی مخلوق پر اللہ کی حجت ہیں، بعض ان میں سے ایسے ہیں جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے دنیا سے برہنہ ہیں، گو دولت مند ہیں، مگر ان کے اندرون پر دنیا کا کوئی اثر نہیں پاتا۔ یہی قلوب ہیں جو صاف ہیں، جو شخص اس پر قادر ہوا، اس کو مخلوقات کی بادشاہت مل گئی، وہی بہادر پہلوان ہے، جس نے اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے پاک بنایا اور قلب کے دروازہ پر توحید کی تلوار اور شریعت کی شمشیر لے کر کھڑا ہوگیا کہ مخلوقات میں سے کسی کو بھی اس میں داخل نہیں ہونے دیتا، اپنے قلب کو مقلب القلوب سے وابستہ کرتا ہے، شریعت اس کے ظاہر کو تہذیب سکھاتی ہے، اور توحید ومعرفت باطن کو مہذب بناتی ہے۔ (فیوض یزدانی ترجمہ الفتح الربانی مجلس:۱۳)

ایک دوسرے موقع پر خدا کی غیرت، شرکا سے نفرت اور انسان کی محبوب چیزوں کے سلب اور ضائع ہونے کی حکمت اس طرح بیان کرتے ہیں:

''تم اکثر کہتے ہوگے کہ میں جس سے محبت کرتا ہوں، اس سے میری محبت رہنے نہیں پاتی اور رخنہ پڑ جاتا ہے، یا تو جدائی ہو جاتی ہے، یا وہ مر جاتا ہے، یا رنجش ہو جاتی ہے، اور مال سے اگر محبت کرتا ہوں تو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور ہاتھ سے نکل جاتا ہے، تب تم سے کہا جائے گا کہ اے خدا کے محبوب! اے وہ کہ جس پر خدا کی عنایت ہے! اے وہ جو خدا کا منظور نظر ہے، اے وہ جس پر خدا کی غیرت آتی ہے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ غیور ہے، اس نے تم کو اپنے لئے پیدا کیا اور تم غیر کے ہو رہنا چاہتے ہو، کیا تم نے خدا کا یہ ارشاد نہیں سنا! يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ، وہ ان لوگوں کو دوست

رکھتا ہے، اور وہ اسے۔ اور یہ ارشاد ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْن، (الذاریات:۵۶) میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔

کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ خدا جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے، تو اسے مبتلا کرتا ہے، پھر اگر وہ صبر کرتا ہے تو اسے رکھ چھوڑتا ہے، عرض کیا گیا یا رسول اللہ! رکھ چھوڑنے سے کیا مراد ہے؟ فرمایا اس کے مال اور اولاد کو باقی نہیں رکھتا، اور یہ معاملہ اس لئے ہے کہ جب مال واولاد ہوں گے تو اس کو ان سے بھی محبت رہے گی اور خدا سے اسے جو محبت ہے متفرق اور ناقص ہوجائے گی، اور تقسیم ہوکر حق اور غیر حق کے درمیان مشترک ہوجائے گی، اور خدا شریک کو قبول نہیں کرتا، وہ غیور ہے اور ہر چیز پر غالب وزبردست ہے، تو وہ اپنے شریک کو ہلاک ومعدوم کردیتا ہے، تاکہ وہ بندہ کے دل کو خالص کرلے خاص اپنے لئے، بغیر شریک کے، اس وقت اس کا یہ ارشاد صادق آجاتا ہے کہ یحبھم ویحبونہ ، وہ ان لوگوں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ اسے، یہاں تک کہ دل جب شریکوں اور برابری کرنے والوں سے، جو اہل وعیال، دولت ولذت اور خواہشیں ہیں، نیز ولایت وریاست، کرامات وحالات، منازل ومقامات، جنتوں اور درجات اور قرب ونزدیکی کی طلب سے پاک وصاف ہوجاتا ہے، تو اس میں کوئی ارادہ باقی نہیں رہتا، اور نہ کوئی آرزو رہتی، اور مثل سوراخ دار برتن کے ہوجاتا ہے، جس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی، کیونکہ وہ خدا کے فضل سے ٹوٹ چکا ہوتا ہے، جب اس میں کوئی ارادہ پیدا ہوتا ہے خدا کا فعل اور اس کی غیرت اسے توڑ دیتی ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ کے دل میں دنیا کی کوئی مخلوق مقصودیت اور محبوبیت کا درجہ نہ حاصل کرلے، دل کا مرکز نگاہ محض ذات خداوندی اور رضاء الٰہی رہے، جو لوگ خدا کے قریب ہیں، ان کے دل میں بجز حق تعالیٰ کے کسی اور کی گنجائش نہیں ہوتی، اگر ان کا دل کسی اور میں اٹکتا ہے تو حق تعالیٰ اسے دور کردیتے ہیں، تاکہ بندے کا دل خالص حق تعالیٰ کے لئے ہوجائے۔

حضرت شیخ کا یہ کلام دیکھئے، اور اس کا زور دیکھئے، کیا انھیں منظور ہوگا کہ لوگ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر انھیں کو معبود ومقصود اور شریک الوہیت وربوبیت بنالیں، حاشا وکلا

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَهُ اللّٰهُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰکِنْ کُوْنُوْا رَبّٰنِیّٖنَ بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتٰبَ وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (سورہ آل عمران:۷۹)

کسی آدمی کے لئے مناسب نہیں ہے کہ اللہ اسے کتاب اور حکمت عطا فرمائیں، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، لیکن وہ یہ کہتا ہے کہ تم لوگ اللہ والے بن کر رہو، کیونکہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے ہو اور اسے خود بھی پڑھتے رہے ہو۔

جس بزرگ کے سامنے اللہ کا یہ فرمان ہو، بھلا وہ اپنی جانب اُلوہیت وربوبیت کے انتساب کو کبھی گوارا کرسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ سیّدنا عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہٗ امت کے بڑے مصلحین اور اصحاب تجدید میں ہیں، حق تعالیٰ کی توفیق سے بے شمار لوگ حضرت کے ہاتھوں پر کفر وشرک اور بدعت ومعاصی سے تائب ہوئے ہیں۔

تصوف وسلوک کے چار سلسلے معروف ہیں، ان میں سب سے قدیم طریقہ وہ ہے، جو سیّدنا شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تعلیمات پر مبنی ہے اور ان کی طرف منسوب ہوکر ''قادریہ'' کہلاتا ہے، مگر مقامِ حیرت ہے کہ ہمارے ملک میں جو لوگ اپنے آپ کو قادری کہتے اور لکھتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان کی تعلیمات سے دور اور شرک وبدعت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں البتہ اس سلسلے کے مشائخ حقہ موجود ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کی تعلیمات اور ان کے مطابق عقیدۂ وعمل کو عام فرمائیں۔

(حدیث درِ دل، ص:۵۲۱)

☆☆☆☆☆

بقیہ ص:۲۰ کا

آپ ﷺ کی زندگی کا بیشتر حصہ تکلیفوں میں گزرا، مگر آپ ﷺ نے کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑا، آپ ﷺ رسالت کی اہم ذمہ داری کو استقامت کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیتے رہے۔ آپ ﷺ کی عبادات، معاملات، اخلاق اور معاشرت سارے انسانوں کے لئے نمونہ ہے۔ ہمیں حضور اکرم ﷺ کے اسوہ سے یہ سبق لینا چاہئے کہ گھریلو یا ملکی یا عالمی سطح پر جیسے بھی حالات ہمارے اوپر آئیں، ہم ان پر صبر کریں اور اپنے نبی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کریں۔ ہم اپنے نبی کے طریقہ پر اسی وقت زندگی گزار سکتے ہیں جب ہمیں اپنے نبی کی سیرت معلوم ہو، لہٰذا ہم خود بھی سیرت کی کتابوں کو پڑھیں اور اپنے بچوں کو بھی سیرت نبوی پڑھانے کا اہتمام کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقش قدم پر زندگی گزارنے والا بنائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رحمۃ للعالمین ﷺ کی سیرت

رب العالمین کی زبانی

مولانا محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض، سعودی عرب)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلام عَلَی النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ

وَعَلیٰ آلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْن.

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ عظیم الشان کلام ہے جو انسانوں کی ہدایت کے لئے خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضور اکرم ﷺ پر نازل فرمایا۔ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم کتاب ہے جس کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ قرآن کریم میں موجود ہے: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہُ لَحَافِظُوْنَ (سورۃ الحجر آیت ۹) یہ ذکر (یعنی قرآن) ہم نے ہی اتارا ہے، اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں حضور اکرم ﷺ پر غار حرا میں نازل ہوئیں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ. خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا۔ پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے۔ اس پہلی وحی کے نزول کے بعد تقریباً تین سال تک وحی کے نزول کا سلسلہ بند رہا۔ تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غار حرا میں آیا تھا آپ ﷺ کے پاس آیا اور سورۃ المدثر کی ابتدائی چند آیات آپ ﷺ پر نازل فرمائیں: یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَاَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ. وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ. اے کپڑے میں لپٹنے والے۔ اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو۔ اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔ اور گندگی سے کنارہ کرلو۔ اس کے بعد حضور اکرم ﷺ کی وفات تک وحی کے نزول کا تدریجی سلسلہ جاری رہا۔

خالق کائنات نے اپنے حبیب حضور اکرم ﷺ کو قرآن کریم میں عمومی طور پر یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ، یَـا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ، یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِر اوریَا اَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ جیسی صفات سے خطاب فرمایا ہے، حالانکہ دیگر انبیاء کرام کو ان کے نام سے بھی خطاب فرمایا ہے۔صرف چار جگہوں پر اسم مبارک محمد اور ایک جگہ اسم مبارک احمد قرآن کریم میں آیا ہے۔

قرآن کریم میں چار جگہ حضور اکرم ﷺ کے نام (محمد) کا ذکر:

وَمَـا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَـدْ خَـلَـتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اور محمد ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔(سورۃ آل عمران:۱۴۴)

مَـا کَـانَ مُـحَـمَّـدٌ اَبَـآ اَحَـدٍ مِّـنْ رِّجَـالِـکُـمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ (مسلمانو!) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ (سورۃ الاحزاب: ۴۰)

وَالَّـذِیْـنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِـمْ کَـفَّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اور ہر اُس بات کو دل سے مانا ہے جو محمد پر نازل کی گئی ہے، اور وہی حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، اللہ نے ان کی برائیوں کو معاف کردیا ہے اور ان کی حالت سنوار دی ہے۔ (سورۃ محمد: ۲)

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے لئے رحم دل ہیں۔ (سورۃ الفتح: ۲۹)

قرآن کریم میں ایک جگہ حضور اکرم ﷺ کے نام (احمد) کا ذکر:

وَاِذْ قَـالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْـنَ یَـدَیَّ مِـنَ التَّـوْرٰةِ وَ مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ اور وہ وقت یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ: اے بنو اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا ایسا پیغمبر بن کر آیا ہوں کہ مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں اور اُس رسول کی

خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، جس کا نام احمد ہے۔(سورۃ الصّف: ٦) معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانہ ہی میں حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی تصدیق فرمادی تھی۔

حضور اکرم ﷺ کا عالی مقام ومرتبہ

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ایسا عظیم الشان مقام عطا فرمایا ہے کہ کوئی بشر حتی کہ نبی یا رسول بھی اس مقام تک نہیں پہنچ سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں ارشاد فرماتا ہے: اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ. وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ. الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَکَ. وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (اے پیغمبر!) کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ اور ہم نے تم سے تمہارا وہ بوجھ اتار دیا ہے، جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے تذکرے کو اونچا مقام عطا کر دیا ہے۔(سورۃ الشرح: ۱۔۴) دنیا میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جس میں ہزاروں مسجدوں کے مناروں سے اللہ کی وحدانیت کی شہادت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت ہر وقت نہ دی جاتی ہو اور لاکھوں مسلمان نبی اکرم ﷺ پر درود نہ بھیجتے ہوں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ حضور اکرم ﷺ کا نام نامی اس دنیا میں لکھا، بولا، پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ صاحب حوض کوثر

خالق کائنات نے صرف دنیا ہی میں نہیں بلکہ آپ ﷺ کو حوض کوثر عطا فرما کر قیامت کے روز بھی ایسے بلند واعلیٰ مقام سے سرفراز فرمایا ہے جو صرف اور صرف حضور اکرم ﷺ کو حاصل ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ (اے پیغمبر!) یقین جانو ہم نے تمہیں کوثر عطا کر دی ہے۔ لہٰذا تم اپنے پروردگار (کی خوشنودی) کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ یقین جانو تمہارا دشمن ہی وہ ہے جس کی جڑ کٹی ہوئی ہے یعنی جس کی نسل آگے نہ چلے گی۔ (سورۃ الکوثر: ۱۔۳) کوثر جنت کے اُس حوض کا نام ہے جو حضور اکرم ﷺ کے تصرف میں دی جائے گی اور آپ کی امت کے لوگ قیامت کے دن اس سے سیراب ہوں گے۔ حوض پر رکھے ہوئے برتن آسمان کے ستاروں کے مانند کثرت سے ہوں گے۔

حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف زمین میں بلکہ آسمانوں پر بھی اپنے نبی کو بلند مقام سے نوازا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا اللہ تعالیٰ نبی پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔اور فرشتے نبی کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں۔اے ایمان والو!تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجا کرو۔(سورۃ الاحزاب: ۵۶)اس آیت میں نبی اکرم ﷺ کے اس مقام کا بیان ہے جو آسمانوں میں آپ ﷺ کو حاصل ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ ﷺ کا ذکر فرماتا ہے اور آپ ﷺ پر رحمتیں بھیجتا ہے۔اور فرشتے بھی آپ ﷺ کی بلندی درجات کے لئے دعائیں کرتے ہیں۔اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ وہ بھی آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجا کریں۔رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجا، اللہ تعالیٰ اس پر ۱۰ مرتبہ رحمتیں نازل فرمائے گا۔ (مسلم)

حضور اکرم ﷺ کا فرمان اللہ تعالیٰ کا فرمان ھے

کیسا عالی شان مقام حضور اکرم ﷺ کو ملا کہ آپ کا کلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى اور یہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتے ، یہ تو خالص وحی ہے جو ان کے پاس بھیجی جاتی ہے۔(سورۃ النجم: ۳۔۴)

حضور اکرم ﷺ کو لوگوں کی ھدایت کی فکر

حضور اکرم ﷺ لوگوں کی ہدایت کی اس قدر فکر فرماتے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ (اے پیغمبر!) شاید تم اس غم میں اپنی جان ہلاک کئے جا رہے ہو کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے!(سورۃ الشعراء:۳)۔ ہمارے نبی کافروں اور مشرکوں کو ایمان میں داخل کرنے کی دن رات فکر فرماتے اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش فرماتے ،لیکن آج بعض مسلمان اپنے ہی بھائیوں کو ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے ان کو کافر اور مشرک قرار دینے میں بڑی عجلت سے کام لیتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ نبی رحمت بناکر بھیجے گئے

رب العالمین نے اپنے نبی کو رحمۃ للمسلمین یا رحمۃ للعرب نہیں بنایا بلکہ رحمۃ للعالمین بنایا ہے جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے جہانوں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(سورۃ الانبیاء: ۱۰۷) جس نبی کو سارے جہاں کے لئے رحمت ہی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہو، اس نبی کی تعلیمات میں دہشت گردی کیسے مل سکتی ہے؟ آپ ﷺ نے ہمیشہ امن وامان کو قائم کرنے کی ہی تعلیمات دی ہیں۔

حضور اکرم ﷺ خاتم النبیین ھیں

آپ ﷺ نبی ہونے کے ساتھ خاتم النبیین بھی ہیں، حضرت آدم علیہ السلام سے جاری نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم ہوگیا، یعنی اب کوئی نئی شریعت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (مسلمانو!) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں، اور تمام نبیوں میں سب سے آخری نبی ہیں۔ (سورۃ الاحزاب: ۴۰) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

حضور اکرم ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا

جیسا کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا کہ حضور اکرم ﷺ آخری نبی ہیں، یعنی آپ کو قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نبی بنایا گیا، غرضیکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا، متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی عالمی رسالت کو بیان کیا ہے، یہاں صرف دو آیات پیش ہیں: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اے رسول! ان سے) کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ (سورۃ الاعراف: ۱۵۸) اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں سارے ہی انسانوں کے لئے ایسا رسول بنا کر بھیجا ہے جو خوشخبری بھی سنائے اور خبردار بھی کرے۔ (سورۃ سبا: ۲۸)

حضور اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بنی نوع انسان کے لئے

چونکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے، اس لئے آپ کی زندگی قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نمونہ بنائی گئی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا حقیقت یہ ہے کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے ہر اُس شخص کے لئے جو اللہ سے اور یوم آخرت سے امید رکھتا ہو۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو۔ (سورۃ الاحزاب ۲۱) حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے نمونہ ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی سنتوں پر عمل کریں۔ آج ہم سنتوں پر یہ کہہ کر عمل نہیں کرتے کہ وہ فرض نہیں

ہیں۔ سنت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہم اس پر عمل نہ کریں بلکہ ہمیں اپنے نبی کی سنتوں پر قربان ہوجانا چاہئے۔ مگر افسوس وفکر کی بات ہے کہ آج ہمارے بعض بھائی سنت پر عمل کرنا تو درکنار بسااوقات سنت کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ حضور اکرم ﷺ کی سنت کے متعلق مذاق کرنا انسان کی ہلاکت وبربادی کا سبب ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفی ﷺ کی تمام سنتوں کو آج بھی زندہ کررکھا ہے، اگر اجتماعی طور پر نہیں تو انفرادی طور پر ضرور عمل ہورہا ہے۔ داڑھی رکھنا نہ صرف ہمارے نبی کی سنت ہے بلکہ نبی کے اقوال وافعال کی روشنی میں پوری امت مسلمہ کا اتفاق ہے کہ داڑھی رکھنا ضروری ہے مگر آج بعض ہمارے بھائی داڑھی رکھنا تو درکنار بعض مرتبہ داڑھی کا مذاق اڑا کر اپنی ہلاکت وبربادی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

حضور اکرم ﷺ کی اتباع

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کے اسوہ میں دونوں جہاں کی کامیابی وکامرانی مضمر رکھی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اتباع کو لازم قرار دیا، فرمان الٰہی ہے: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ (سورۃ آل عمران: ۳۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی سینکڑوں آیات میں اپنی اطاعت کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا ہے۔ کہیں فرمایا: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾، کہیں فرمایا: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہ ﴾، کسی جگہ ارشاد ہے: ﴿اَطِیْعُوا اللّٰہَ والرَّسُوْلَ ﴾ اور کسی آیت میں ارشاد ہے: ﴿اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾۔ ان سب جگہوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں سے ایک ہی مطالبہ ہے کہ فرمانِ الٰہی کی تعمیل کرو اور ارشاد نبوی ﷺ کی اطاعت کرو۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد جگہوں پر یہ بات واضح طور پر بیان کردی کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت رسول اکرم ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن کے مفسر اول: حضور اکرم ﷺ

اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف اتاری ہے کہ لوگوں کی جانب جو حکم نازل

فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں، شاید کہ وہ غور وفکر کریں۔ (سورۃ النحل: ۴۴) اسی طرح فرمان الٰہی ہے: وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ (سورۃ النحل ۶۴) یہ کتاب ہم نے آپ ﷺ پر اس لئے اتاری ہے تاکہ آپ ﷺ ان کے لئے ہر اس چیز کو واضح کردیں جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیات میں واضح طور پر بیان فرمادیا کہ قرآن کریم کے مفسر اول حضور اکرم ﷺ ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی اکرم ﷺ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ آپ ﷺ امت مسلمہ کے سامنے قرآن کریم کے احکام ومسائل کھول کھول کر بیان کریں۔ اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے اقوال وافعال کے ذریعہ قرآن کریم کے احکام ومسائل بیان کرنے کی ذمہ داری بحسن خوبی انجام دی۔ صحابۂ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ذریعہ حضور اکرم ﷺ کے اقوال وافعال یعنی حدیث نبوی کے ذخیرہ سے قرآن کریم کی پہلی اہم اور بنیادی تفسیر انتہائی قابل اعتماد ذرائع سے امت مسلمہ کو پہونچی ہے، لہذا قرآن فہمی حدیث کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

تاریخ کا سب سے لمبا سفر حضور اکرم ﷺ کے نام

تاریخ کے سب سے لمبے سفر (اسراء ومعراج) کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں بیان فرمایا ہے جس میں آپ ﷺ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی۔ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ کے سفر ﴿سُبۡحٰنَ الَّذِىۡۤ اَسۡرٰى بِعَبۡدِهٖ لَيۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ اِلَى الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا﴾ کو اسراء کہتے ہیں۔ اور یہاں سے جو سفر آسمانوں کی طرف ہوا اس کا نام معراج ہے۔ اس واقعہ کا ذکر سورۂ نجم کی آیات میں بھی ہے: ﴿ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى، فَكَانَ قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى، فَاَوۡحٰۤى اِلٰى عَبۡدِهٖ مَاۤ اَوۡحٰى﴾۔ سورۃ النجم کی آیات ۱۳۔۱۸ میں وضاحت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے (اس موقع پر) بڑی بڑی نشانیاں ملاحظہ فرمائیں: ﴿وَلَقَدۡ رَاٰهُ نَزۡلَةً اُخۡرٰى، عِنۡدَ سِدۡرَةِ الۡمُنۡتَهٰى، عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰى، اِذۡ يَغۡشَى السِّدۡرَةَ مَا يَغۡشٰى، مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰى، لَقَدۡ رَاٰى مِنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِ الۡكُبۡرٰى﴾۔

حضور اکرم ﷺ کی نماز

اللہ تعالیٰ کا پیار بھرا خطاب حضور اکرم ﷺ سے ہے کہ آپ رات کے بڑے حصہ میں نماز تہجد پڑھا کریں: يٰۤاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ. قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا. نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِيۡلًا. اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلاً اے چادر میں لپٹنے والے! رات کا تھوڑا حصہ چھوڑ کر باقی رات میں (عبادت کے لئے) کھڑے ہوجایا کرو۔ رات کا آدھا حصہ یا آدھے سے کچھ کم، یا اُس سے کچھ زیادہ۔ اور قرآن کی تلاوت اطمینان سے صاف صاف کیا کرو۔ (سورۃ المزمل: ۱-۴) اسی طرح سورۃ المزمل کی آخری آیت میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: اِنَّ رَبَّکَ یَعْلَمُ اَنَّکَ تَقُوْمُ اَدْنٰی مِنْ ثُلُثَیِ الَّیْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَکَ (اے پیغمبر!) تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (تہجد کی نماز کے لئے) کھڑے ہوتے ہو اور تمہارے ساتھیوں (صحابۂ کرام) میں سے بھی ایک جماعت (ایسا ہی کرتی ہے)۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ رات کو قیام فرماتے یعنی نماز تہجد ادا کرتے یہاں تک کہ آپ کے پاؤں مبارک میں ورم آجاتا۔ (بخاری) صرف ایک دو گھنٹے نماز پڑھنے سے پیروں میں ورم نہیں آتا ہے بلکہ رات کے ایک بڑے حصہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہونے، طویل رکوع اور سجدہ کرنے کی وجہ سے ورم آتا ہے، چنانچہ سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران جیسی لمبی لمبی سورتیں آپ ﷺ ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور وہ بھی بہت اطمینان وسکون کے ساتھ۔

نماز تہجد کے علاوہ آپ ﷺ پانچ فرض نمازیں بھی خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے تھے۔ آپ ﷺ سنن ونوافل، نماز اشراق، نماز چاشت، تحیۃ الوضوء اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام فرماتے اور پھر خاص خاص مواقع پر نماز ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے رجوع فرماتے۔ سورج گرہن یا چاند گرہن ہوتا تو مسجد تشریف لے جاکر نماز میں مشغول ہوجاتے۔ کوئی پریشانی یا تکلیف پہنچتی تو مسجد کا رخ کرتے۔ سفر سے واپسی ہوتی تو پہلے مسجد تشریف لے جاکر نماز ادا کرتے۔ اور آپ ﷺ اطمینان وسکون کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضور اکرم ﷺ کے اخلاق

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے نبی کے اخلاق کے متعلق فرماتا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ اور یقیناً تم اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو۔ (سورۃ القلم: ۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ یعنی آپ ﷺ کا اخلاق قرآنی تعلیمات کے عین مطابق تھا۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الاَخْلَاقِ مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہے۔

(مسند احمد) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اکرم ﷺ کی خدمت کی، مجھے کبھی کسی بات پر اف تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟ حضور اکرم ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے، نیز خلقت کے اعتبار سے بھی آپ بہت خوبصورت تھے۔ میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اکرم ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو۔ اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔ (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔ (ترمذی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں خلافِ وقار باتیں کرتے تھے۔ برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہیں فرماتے تھے۔ (ترمذی) حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا: جھگڑے سے، تکبر سے اور بیکار باتوں سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچا رکھا تھا۔ نہ کسی کی مذمت کرتے، نہ کسی کو عیب لگاتے اور نہ ہی کسی کے عیوب تلاش کرتے تھے۔ (ترمذی) ہمیں چاہئے کہ ہم اپنے نبی اکرم ﷺ کے اخلاق حمیدہ کو پڑھیں اور ان کو اپنی زندگی میں لانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

حضور اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی

قرآن کریم روز قیامت تک کے لئے لوگوں سے مخاطب ہے: ﴿وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا﴾ (سورۃ الاحزاب:۵۳) اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے بعد ان کی ازواج مطہرات میں سے کسی سے نکاح کرو۔ یعنی ازواج مطہرات (نبی اکرم ﷺ کی بیویاں) تمام ایمان والوں کے لئے ماں (ام المؤمنین) کا درجہ رکھتی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے چند نکاح فرمائے۔ ان میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کنواری تھیں، باقی سب بیوہ یا مطلقہ تھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا نکاح ۲۵ سال کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔ حضرت خدیجہ کی عمر نکاح کے وقت ۴۰ سال تھی، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے عمر میں ۱۵ سال بڑی تھیں۔ نیز وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نکاح کرنے سے پہلے دو شادیاں کر چکی

تھیں اوران کے پہلے شوہروں سے بچے بھی تھے۔

جب نبی اکرم ﷺ کی عمر ۵۰ سال کی ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوگیا۔

اس طرح نبی اکرم ﷺ نے اپنی پوری جوانی (۲۵ سے ۵۰ سال کی عمر) صرف ایک بیوہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گزار دی۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جو اپنے شوہر کے ساتھ مسلمان ہوئی تھیں، ان کی ماں بھی مسلمان ہوگئی تھیں، ماں اور شوہر کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ چلی گئیں تھیں۔ وہاں ان کے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ جب اُن کا کوئی بظاہر دنیاوی سہارا نہ رہا تو نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبوت کے دسویں سال ان سے نکاح کرلیا۔ اُس وقت آپ ﷺ کی عمر ۵۰ سال اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۵۵ سال تھی۔ اور یہ اسلام میں سب سے پہلی بیوہ عورت تھیں۔ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد تقریباً تین چار سال تک صرف حضرت سودہ رضی اللہ عنہا ہی آپ ﷺ کے ساتھ رہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے تین یا چار سال بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ غرض تقریباً ۵۵ سال کی عمر تک آپ ﷺ کے ساتھ صرف ایک ہی عورت رہی اور وہ بھی بیوہ۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے چند نکاح کئے۔ یہ نکاح کسی شہوت کو پوری کرنے کے لئے نہیں کئے کہ شہوت ۵۰۔۵۵ سال کی عمر کے بعد اچانک ظاہر ہوگئی ہو۔ بلکہ چند سیاسی و دینی واجتماعی اسباب کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے یہ نکاح کئے۔ اگر شہوت پوری کرنے کے لئے آپ ﷺ نکاح فرماتے تو کنواری لڑکیوں سے شادی کرتے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ کسی بیٹی کا نکاح کرایا مگر اللہ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔

خلاصۂ کلام:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں جگہ جگہ اپنے حبیب محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصاف حمیدہ بیان فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نہ صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے بلکہ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے نبی ورسول بنا کر بھیجے گئے ہیں، اور نبوت کا سلسلہ آپ ﷺ پر ختم کردیا گیا ہے، یعنی اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا، یہی شریعت محمدیہ (یعنی علوم قرآن وحدیث) کل قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے مشعل راہ ہے۔ غرضیکہ آپ ﷺ کو عالمی رسالت سے نوازا گیا ہے۔ اتنے عظیم وبلند مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ کو مختلف طریقوں سے ستایا گیا۔ (بقیہ ص: ۱۰ پر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نقوش مبارک پور

مولانا ڈاکٹر محامد ہلال صاحب، حیدرآباد

مغل بادشاہ شاہ جہاں نے کہا تھا: مملکتِ پورب شیرازِ ماست۔ اس علم پرور بادشاہ نے جو بات کہی ہے، اس کی روشنی میں جب ہم مشرقی یوپی کی طرف نگاہ ڈالتے ہیں، تو ان میں نمایاں طور پر اعظم گڑھ کا نام شیشۂ ذہن پر ابھرتا ہے، بقول اقبال سہیل:

اس خطۂ اعظم گڑھ پہ مگر فیضان تجلی ہے یکسر
جو ذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

''ہندو تاریخوں اور پرانوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سرزمین قدیم زمانہ ہی سے بڑی اہمیت کی حامل رہی ہے اور اس کو رشیوں، منیوں اور سادھوسنتوں کی عبادت گاہ اور دیوی دیوتاؤں کا مسکن ہونے کا فخر حاصل ہے''۔

قاضی اطہر مبارکپوری لکھتے ہیں:

''اعظم گڑھ کی مٹی میں زرخیزی اور شادابی کی شان جداگانہ ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آج اس کے قریات وقصبات میں علم وعلما کی جو رونق اور کثرت پائی جاتی ہے، اس کی مثال پڑوسی اضلاع میں نہیں ملتی ہے''۔

اعظم گڑھ کے بیشتر قریہ وقصبات علم وفن سے مالا مال ہیں، ان ہی میں ایک علمی ودینی اور صنعتی قصبہ مبارکپور ہے، جو شہر اعظم گڑھ سے مشرق میں ۱۵ رکلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس وقت مردم شماری کی بنا پر اس کی آبادی تقریباً ایک لاکھ پینتیس ہزار (۱۳۵۰۰۰) پر مشتمل ہے، جس میں مختلف مذاہب، مسلک وفکر کے لوگ بستے ہیں، بیشتر حصہ مسلم آبادی پر مشتمل ہے، مبارک پور کا رقبہ ۹ رمربع کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے، اس قصبہ کے اثرات، اطراف واکناف کے دیہاتوں پر علمی وتہذیبی طور پر پڑتے ہیں، اس قصبہ کا نام پہلے پہل قاسم آباد تھا، مبارکپور نام پڑنے کی وجہ یہاں اسلام کی شعاعیں

کب نمودار ہوئیں؟ مسلمانوں کا عمل دخل کب سے شروع ہوا؟ تو اس ضمن میں یہ ہے کہ سلطان محمود غزنوی متوفی ۱۰۳۰ء کے ہمراہ ہندوستان میں جو فوج آئی، اس میں سید مسعود سالار غازی بھی تھے، غازی نے کچھ لشکر لے کر مشرقی یوپی کا رخ کیا، وہ خود بہرائچ چلے گئے اور ان کے کچھ سپاہیوں نے اعظم گڑھ کا رخ کیا، ان سپاہیوں میں ملک شدنی نام کے ایک سپاہی تھے۔

قاضی اطہر مبارکپوری رقم طراز ہیں:

''ہماری تحقیق میں ملک شدنیؒ یہاں کے قدیم ترین بزرگوں میں سے ہیں، جو پانچویں صدی میں مسعود سالار غازیؒ کے زمانے میں بسلسلۂ جہاد شہید ہوئے، آپ کا مزار مبارکپور کے شمال مشرق میں چند فرلانگ پر ''سریاں'' نامی بستی سے متصل شمال میں ایک پُر فضا باغ میں تالاب کے پاس واقع ہے اور اسی سے متصل مغرب میں ملک شدنی موضع آباد ہے''۔

ملک شدنی کے مزار کے علاوہ اس قصبہ میں اور اطراف واکناف میں کئی مزارات اور شہید واڑے ہیں، مگر ان کی تاریخ مجہول ہے، نیز نوابانِ اودھ کا عمل دخل ہونے کی وجہ سے اس قصبہ میں اور باہر روضے اور امام باڑے بھی خال خال مل جائیں گے۔

یہ قصبہ عہد غزنوی سے عہد ہمایوں تک زوال وانحطاط سے کافی دوچار ہونے کے بعد سلطان محمد نصیر الدین ہمایوں کے زمانے میں از سرنو حضرت راجہ سید مبارک شاہ قصبہ مانک پوری دسویں صدی ہجری میں یہاں آکر قاسم آباد کے کھنڈروں پر اپنے نام سے مبارکپور قصبہ کی نئی تعمیر کی، انھوں نے اپنے ہمراہ مانک پور سے ایک علمی، دینی اور روحانی خانوادہ لاکر مبارک پور میں بسایا اور ان پر قصبہ اور اطراف کی نیابت قضا، دینی امور کا معتمد ومتولی جیسے اہم ذمہ داری سونپ کر ۲؍شوال ۹۶۵ھ میں وہ مانک پور واپس جا کر جہانِ فانی سے کوچ کر گئے۔

اسی خانوادہ کے چشم وچراغ مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوریؒ ہیں، معاشی اور اقتصادی اعتبار سے قصبہ مبارکپور خدا کے فضل سے مستحکم ہے، یہاں کی خاص صنعت پارچہ بافی ہے، ریشمی ساڑیاں عمدہ بیل بوٹے کے ساتھ، بنارسی ساڑی کے نام سے تیار کی جاتی ہیں، ملک اور بیرونِ ملک بھیجی جاتی ہیں، جو دنیا بھر کی شادیوں میں مسرت وشادمانی کا خصوصی لباس بنتی ہیں، اس کی تیاریوں میں گھر کا ہر فرد کسی نہ کسی طرح شریک ہوتا ہے، یہ بھی اللہ کا قصبہ مبارکپور پر کس قدر احسان ہے کہ روزی اس کے آنگن میں ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس صنعت سے بلا امتیاز مذہب وملت لوگ وابستہ

ہیں، قصبہ مبارکپور میں یا اطراف قصبہ سے ہندو، مسلم دونوں مل کر ساڑیاں بناتے ہیں اور فروخت بھی کرتے ہیں، یہ ایک قومی یک جہتی کا بہترین نمونہ ہے اور ہر ایک دوسرے سے اپنے اپنے چراغ روشن کرتے ہیں، جس سے آپس میں وہ خوش وخرم نظر آتے ہیں۔ ملک کی معاشی وسیاسی صورت حال کی وجہ سے اس اہم صنعت پر خاصا اثر پڑا ہے، کاش کہ حکومت اس صنعت پر خاص توجہ دیتی، تو قصبہ مبارکپور اور اس جیسی صنعت والوں کو راحت اور ملک کی نیک نامی ہوتی اور کچھ اس صنعت کی وجہ سے ملک کا معاشی نظام بھی مستحکم ہوتا۔

اس قصبہ کے افراد اپنی معاشی فکر کے ساتھ علم وفضل، سیاست وحکومت اور شعر وادب کے میدان میں ہند اور بیرونِ ہند میں نمایاں مقام رکھتے ہیں؛ کیوں کہ وہ علم وفضل اور قرآن وحدیث کی تعلیم کے لیے کوشاں رہتے ہیں اور یہی مذہب اسلام کی تعلیم اور پیغام ہے۔ علی میاں ندویؒ ''ہندوستان کی قدیم اسلامی درس گاہیں'' میں ص:۱۱ پر لکھتے ہیں:

''وہ جس وقت عرب سے نکلے، ان کے ہاتھ میں فتح ونصرت کی تلوار اور دوسرے علم وفن کا چراغ تھا، جو ملک ان کے زیرنگیں آیا، وہاں انھوں نے فضل وکمال کی بزم چراغاں برپا کردی''۔

قصبہ مبارکپور میں شروع شروع میں گھروں پر ہی تعلیم کا عام رواج تھا، پھر مساجد میں اس کا اہتمام آیا، موجودہ دور میں شعبۂ قراءت حفص وحدر کی تعلیم پورے قصبہ کے لیے رحمت وسعادت ہے اور ملک اور بیرون ملک کے لیے قابل مثال ہے، جو آج بھی مساجد میں جاری ہے۔ قصبہ مبارکپور میں مساجد کی کثرت کے ساتھ مدارس اور مکاتب کا جال بچھا ہوا ہے، جو مختلف مشرب ومسلک کی نمائندگی کرتے ہیں، اور اپنی دینی، ملی، تبلیغی خدمات سے نہ صرف اطراف واکناف بلکہ پورے ہندوستان میں ایک نمایاں اور امتیازی مقام کے حامل ہیں، شب کی تاریکی میں، دن کے اجالے میں قصبہ کا تہذیب وتمدن اسلامی تعلیمات کی کسی نہ کسی طرح عکاسی کرتا ہے اور اس کے کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ یہ مدارس اسلامیہ کی برکت اور خدا کا خاص فضل وکرم ہے۔

اس قصبہ سے مؤرخ اسلام قاضی اطہر مبارکپوری، مولانا ظفر حسن عینی، مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری، مولانا عبیداللہ رحمانی، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری وغیرہ کا تعلق ہے، جن کی شناخت اہل علم کے عالمی منظرنامے میں ہوتی ہے۔ یہ قصبہ قدیم وجدید تعلیم کے معاملے میں بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ عربی مدارس کے علاوہ انگریزی ادارے چھوٹے بڑے، قدیم وجدید خاصی تعداد

میں موجود ہیں، لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی بھی تعلیم کا انتظام ہے، کئی نسواں ادارے قائم ہیں، جو دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سے آراستہ کرتے ہیں۔ دور حاضر میں متعدد پبلک اسکول قائم ہوئے ہیں اور اس وقت نسواں ڈگری کالج قائم ہو چکا ہے، اس قصبہ میں کئی عربی مدارس ہیں جو مختلف مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں: جامعہ عربیہ احیاء العلوم، باب العلم، دار العلوم اشرفیہ، دار التعلیم وغیرہ ہیں، اول الذکر جامعہ عربیہ احیاء العلوم فقہ حنفی اور دیوبندی مکتب فکر کی بھر پور نمائندگی کرتا ہے۔

احیاء العلوم کا قیام اس وجہ سے ہوا تھا کہ مبارکپور سے بدعات وخرافات اور جاہلانہ رسم ورواج کا خاتمہ کیا جائے، چنانچہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کا قیام عمل میں آیا اور ابتدائی مرحلے ہی سے احیاء سنت کا نعرۂ حق بلند کیا اور اس کے اثرات بھی ظاہر ہوتے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ جامعہ کے پہلے مہتمم مولانا حکیم الٰہی بخشؒ ہیں، اس وقت یہ مدرسہ مکتب کی شکل میں تھا، اس کی اپنی ذاتی کوئی عمارت نہ تھی، محلّہ پورہ رانی میں ایک جگہ درس وتدریس کا نظام تھا، پھر مدرسہ ''مسجد دینا بابا'' میں منتقل ہوا، جامعہ کے پہلے مدرس حضرت مولانا حکیم محمد محمود صاحب معروفیؒ ہیں: فتاویٰ احیاء العلوم کے مرتب مفتی جمیل احمد نذیری ص:۱۶ کے حاشیہ پر لکھتے ہی:

''یہ حسنِ اتفاق بھی کتنا مبارک ہے کہ دار العلوم دیوبند کے پہلے استاذ بھی مولانا محمودؒ ہیں اور احیاء العلوم کے پہلے استاذ بھی ان ہی کے ہم نام یعنی مولانا محمود، ظاہر ہے کہ اس حسن توافق کا کچھ اثر تو جامعہ عربیہ احیاء العلوم پر آنا ہی چاہئے تھا اور الحمد للہ آیا بھی''۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

جامعہ کے دوسرے مہتمم حضرت مولانا شکر اللہ صاحب مبارکپوریؒ ہیں، خدا نے انھیں دین کی خدمت کا ملکہ عطا فرمایا تھا، آپ کی زندگی صلاحیت وصالحیت کا حسین مرقع تھی اور آپ ہی کے زمانے میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم نے ترقی کے منازل طے کئے، آپ نے اپنی شب وروز کی محنت اور انتھک کوششوں سے قصبہ مبارکپور مین ایک عظیم الشان جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا اور اس کی تکمیل کے لیے تاحیات کوشاں رہے۔ آپ ہی کے زمانے میں جامعہ کے فرزندوں نے تعلیم وتدریس، تصنیف وتالیف، وعظ وخطابت کے ذریعہ جامعہ کو ملکی طور پر ہی نہیں، بلکہ عالمی پیمانے پر اس کی شناخت بنائی، جس کے نتیجے میں جامعہ کو مشرقی یوپی کا دینی وعلمی مرکز قرار دیا گیا تھا۔

قصبہ کی عوام اور علما نے مولانا شکر اللہ صاحب کے ساتھ اور ان کی ایماء پر جنگ آزادی میں حصہ لیا، کچھ لوگوں کو اور مولانا شکر اللہ صاحب کو انگریزوں نے چھ ماہ قید بامشقت کی سزا بھی دی، مگر اپنے اساتذہ واکابر کی طرح حالات کا ثابت قدمی سے مقابلہ کیا اور کامیاب بھی رہے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں ہی اپنے بھتیجے حضرت مولانا عبدالباری صاحب قاسمی کو اپنی فکری جولان گاہ میں داخل کر دیا تھا، چنانچہ مولانا شکر اللہ صاحب کی وفات کے بعد مولانا عبدالباری صاحب نے ان کے بچے ہوئے کاموں کی تکمیل کی اور جامعہ کو مزید ترقی کی راہ پر ڈال دیا، ان کا زمانہ جامعہ کا زریں دور کہلاتا ہے۔ قصبہ مبارکپور میں جامعہ عربیہ احیاء العلوم کی نسبت سے بڑے بڑے اکابر تشریف لائے، مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا منظور نعمانیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا مفتی کفایت اللہ، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، وغیرہ تفصیل کافی طویل ہے۔ یہ قصبہ ہمیشہ سے علم وادب کا مرکز رہا ہے، یہاں کی مردم خیز زمین نے ایک سے بڑھ کر ایک دانشور، مفکر، مدبر، ادیب اور شاعر پیدا کیے ہیں، جو شعر وسخن اور ادب میں آفتاب وماہتاب بن کر چمکے۔

ایک زمانہ تھا کہ یہ قصبہ مبارکپور عطا شفا، غلام حسین خاکیؔ، حبیب اللہ حبیبؔ، علی حسن حسنؔ، افتخار احمد رہبرؔ، اور منشی سہدیو رام کیفؔ کا مسکن تھا۔ پھر اس کے بعد یہی قصبہ ارشاد احمد جوہرؔ، قاضی اطہر، مولانا عبدالحمید ناظرؔ، نذیر احمد فرازؔ، ڈاکٹر محسن ادیبی، مولانا عثمان ساحرؔ، قمر الزماں زماںؔ، منظور احمد منظورؔ، اور ظہیر احمد مضطرؔ کا عزیز وطن بنا، اسی سرزمین میں مولانا خلیل گوہر، ایوب مبارکپوری، شرر مصباحی، حماد مبارکپوری، محمد احمد کوثرؔ، حافظ محمد عمر اور غلام مصطفیٰ وغیرہ نے اپنی سخن فہمیوں اور سخن سازیوں کا جادو بکھیرا، گویا مبارکپور عطا، شفا اور خاکی سے لے کر آج تک گہوارۂ شعر وادب بنا ہوا ہے۔

نقوش مبارکپور کا عنوان بڑی وسعت رکھتا ہے، یہ مختصر مقالہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اس پر ایک ضخیم کتاب تیار کی جاسکتی ہے، ان شاء اللہ کوشش کی جائے گی۔

کتابیات

(۱) فتاویٰ احیاء العلوم مفتی جمیل احمد نذیری (۲) حیات شبلی سید سلیمان ندویؒ
(۳) مئے طہور قمر الزماں مبارکپوری (۴) سخنوران اعظم گڑھ قمر الزماں مبارکپوری
(۵) تذکرہ علماء مبارکپور قاضی اطہر مبارکپوری (۶) دیار پورب میں علم اور علماء قاضی اطہر مبارکپوری
(۷) ضیاء الاسلام (قاضی اطہر نمبر) مولانا ضیاء الحق خیرآبادی (۸) فیوض بمہور محمد محامد ہلال اعظمی
(۹) قومی زبان ماہنامہ حیدرآباد محمد ارشد مبین زبیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اچھے نام رکھنے کی تاکید وترغیب

مولانا محمد احمد سکندر قاسمی، نوادہ، مبارک پور
استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام (جامع مسجد) شہر اعظم گڑھ

اولاد نعمتِ عظمیٰ ہیں، اللہ کی امانت ہیں، ان کی اصلاح وتربیت ایک بڑی ذمہ داری ہے، شریعت نے جس طرح تمام لوگوں کے حقوق وفرائض کی نشاندہی فرمائی ہے اسی طرح والدین کے فرائض کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، والدین کے فرائض میں سے ایک فرض اولاد کا اچھا نام رکھنا ہے۔ نام تعریف وتعارف کا سبب ہے، تشخیص وتعیین کا رہنما ہے، اشخاص سے امتیاز کا آلہ ہے، نام معانی کے قالب ہیں، نام اپنے مسمّیٰ کی شخصیت پر بڑا موٴثر ہے، انسان اپنے نام کی اچھائی یا برائی سے ضرور متاثر ہوتا ہے، اسی کے پیش نظر ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَآءِ كُمْ	تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء
وَاَسْمَآءِ آبَاءِ كُمْ فَاَحْسِنُوْا	کے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ پس
اَسْمَآءَ كُمْ. (مشکوٰۃ ص ۴۰۸)	اپنے نام اچھا رکھا کرو۔

مسمّیٰ کی شخصیت پر نام کے اثر انداز ہونے کی مثال حدیث رسول کے آئینے میں ملاحظہ فرمائیں، سعید بن مسیّبؒ نے فرمایا:

اِنَّ جَدَّهٗ حَزْناً قَدِمَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ مَااسْمُكَ قَالَ اِسْمِيْ حَزْنٌ. قَالَ بَلْ اَنْتَ سَهْلٌ قَالَ مَااَنَا بِمُغَيِّرٍ اِسْمًا سَمَّانِيْهِ اَبِيْهِ قَالَ اِبْنُ الْمُسَيِّبِ فَمَازَالَتْ فِيْنَا الْحَزُوْنَةُ بَعْدُ. (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۴۰۹)

سعید بن المسیب جن کے دادا جن کا نام حزن تھا، حضور ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے ان سے ان کا نام پوچھا، انھوں نے جواباً فرمایا: میرا نام ''حزن'' ہے (جس کا معنی سختی ہے) حضور ﷺ نے فرمایا: تمہارا نام سہل ہے، (جس کا معنی آسان ہے) لیکن انھوں نے اپنے باپ

دادا کا رکھا ہوا نام نہیں بدلا، جس کا نتیجہ ہوا کہ ان کی خاندان واولاد میں برابر سختی رہی۔

اچھا نام رکھنے میں سراسر فائدہ ہے، غلط اور بے معنی نام رکھنے میں سو فیصد نقصان ہے، اسلامی نام رکھنے میں صحیح العقیدہ، اسلامی تہذیب وتمدن کی عکاسی ہوتی ہے، غیر اسلامی نام رکھنے میں بدعقیدگی اور غلط تہذیب نمایاں ہوتی ہے۔ ہم مسلمان ہیں، ہمارا اور ہماری اولاد کا اسلامی نام ہونا ایمانی فریضہ ہے، غیر اسلامی اور بازاری نام رکھنا دوسری قوموں کے ناموں سے مشابہت اختیار کرنا نقص ایمان کی علامت ونشانی ہے۔

یہ تو ہر انسان کو معلوم ہے کہ ہر چیز کی کوئی علت ووجہ ہوتی ہے، تو آخر اچھے نام رکھنے کی بھی کوئی وجہ ضرور ہونی چاہئے، آخر وجہ کیا ہے؟ اس کا سبب کیا ہے؟ تو قربان جایئے ہادیٔ عالم محبوب خدا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ انھوں نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِاَسْمَآءِ كُمْ وَاَسْمَآءِ آبَاءِ كُمْ فَاَحْسِنُوْا اَسْمَآءَ كُمْ. (مشکوٰۃ ص۴۰۸)	تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء کے ناموں سے پکارے جاؤ گے۔ پس اپنے نام اچھا رکھا کرو۔

اچھے نام کیا ہیں؟ اسلامی نام کا مواد کیا ہے؟ اچھے اور برے اسماء میں تفریق وتمیز کا معیار کیا ہے؟ اس کی بھی صراحت کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تُسَمُّوْا بِاَسْمَآءِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَحَبُّ الْاَسْمَاءِ اِلَى اللّٰهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَاَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَ هُمَامٌ وَاَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّه رواه ابوداؤد. (مشکوٰۃ ۴۰۹)	نبیوں کے ناموں پر نام رکھو، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا نام عبداللہ، عبدالرحمٰن ہے۔ سب سے سچا نام حارث، ہمام ہے۔ سب سے برا نام حرب، مرہ ہے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:

لاتسمین غلامک یساراً ولا ربا حاً ولا نجیحاً ولا افلح فانک تقول اثمّ هو؟ فلایکون فتقول لا. (مشکوٰۃ ص۴۰۷)

اپنے بیٹے کا نام یسار (مالداری) رباح (نفع) نجیح (مبارک بادی) افلح (کامیاب) نہ رکھو۔ (اگر تم نے یہ نام رکھا اور کسی نے دروازے پر آکر بچے کا نام لے کر) پوچھا وہ گھر میں ہے؟

اتفاق سے وہ گھر میں نہ ہو، پس تم نے جواب دیا نہیں، (گویا یہ ایک بدشگونی ہوگی۔ گھر مالداری، کامیابی، مبارک بادی اور نفع ہونے کی نفی ہوگی۔)

ایک دوسری حدیث میں فرمان نبویؐ ہے:

روزِ قیامت اللہ کے نزدیک کسی شخص کا سب سے برا نام ''ملک الاملاک'' شہنشاہ، ملک معظم ہوگا۔ (بخاری، مشکوٰۃ ۴۰۷)

احادیث نبویہ کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ جن ناموں سے عبدیت وبندگی کا اظہار ہو، رسول وپیغمبر کے اسماء، اصحاب نبی، صحابہؓ کے محترم نام، ازواج مطہرات اور صحابیات کے نام، صحیح المعنی اسماء اسلامی اور اچھے نام ہیں۔ لہٰذا ہمیں ایسے نام کو تجویز کرنا چاہئے جن سے عبدیت وبندگی کی بو آتی ہو، انبیاء ورُسل کے نام، بزرگوں کے نام، ازواج مطہرات، صحابیات کے اسماء۔ تاکہ ان ناموں کے اثرات مسمیٰ کی شخصیت پر بہتر ہوں، ایسے ناموں سے پرہیز کرنا چاہئے جن سے شرک ومعصیت کی بو آتی ہو، جنگ وجدال کے معنی ظاہر ہوتے ہوں، چنگاری وآگ کے معنی کا پتہ چلتا ہو، غلاظت وسختی کے معنی رونما ہوتے ہوں، برے اخلاق کی نشاندہی ہوتی ہو، بے معنی اور غلط معنی ہوں، شہنشاہیت وکبریائی کا ظہور ہوتا ہو، بازاری گرے پڑے چُنو، مُنّو، گڈو نام ہوں۔

احادیث کریمہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر برے نام ہوں تو اسے بدل دیا جائے، اور صحیح المعنی اسلامی نام رکھا جائے، ناموں کے حسن وقبح کا رسول اعظمؐ کو اس قدر احساس تھا کہ برے نام سنتے تو اسے بدل دیتے تھے۔

عَن عائشةؓ قالت ان النبی ﷺ کان یغیر الاسم القبیح. (مشکوٰۃ ۴۰۸)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برے نام کو بدل دیتے تھے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا جس کا معنی نافرمان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ جس کا معنی خوبصورت اور خوش شکل ہے۔ (مسلم)

اسی طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرم، شہاب، عاص، صرف، عزیز، شیطان، حکم، غراب، حباب، برہ، عتلہ وغیرہ ناموں کو بدلا ہے۔

قال (ابوداؤد) وغیّر النبی ﷺ اسم العاص وعزیز وعتلة وشیطان والحکم وغراب وحباب وشهاب وقال ترکت اسانیدها للاختصار. (مشکوٰۃ ص ۴۰۸)

لیکن آج ہمارا معاشرہ اتنا جدت پسند اور مغربی تہذیب سے اتنا متاثر ہو گیا ہے کہ ناموں کے انتخاب کا معیار جدت و نیاپن ہو گیا، خواہ معنی و مفہوم کچھ ہوں۔ اسلامی نام ہمیں پسند نہیں، ان کا انتخاب ہمیں گوارا نہیں، انبیاءؑ، صحابہؓ کے نام سے پرانے پن کی بو آتی ہے، صحابیات ازواج مطہرات کے نام میں جدت نظر نہیں آتی، ہمیں تو اب بازاری گرے پڑے نام پیارے ہیں، ہیرو ہیروئن، بدنام زمانہ کے نام رکھنا محبوب ہے، ہیرو ہیروئن کے القاب دل کو لگتے ہیں، انگریزی، غیر دینی نام رکھنا باعث فخر ہے، چنانچہ پپو، للو، ہٹلر، سمینہ، قیصر جیسے بازاری بے معنی غلط معنی نام کی کثرت سے پیداوار ہے، بلانے پکارنے کیلئے ان ناموں کے استعمال کو قابل فخر محسوس کرتے ہیں۔ اللہ ہماری حفاظت فرمائے۔

آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ آج یہ دن کیوں دیکھنا پڑا ہے، ہمارا سماج و معاشرہ اس ڈگر پر کیوں چل رہا ہے؟ بس اس لئے کہ ہمارے دلوں میں اسلام کی عظمت نہیں۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی عظمت و محبت نہیں۔ ہمیں اپنے آپ کو اپنی اولاد کو صحیح بنانے کی فکر نہیں، ہم نے اپنے قلوب میں فانی دنیا کی وقعت و حیثیت کو جگہ دی ہے، غیروں کی مشابہت کو اختیار کیا ہے۔ حالانکہ محبوب خدا نے فرمایا:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ. جو جس قوم سے مشابہت اختیار کرے، وہ اسی میں سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو احکام اسلام کا پابند بنائے۔ آمین۔

☆☆☆

(بقیہ ص:۳۶ کا)

اس بچے کے کسب اور محنت سے وہ لوگ کھا رہے تھے، جب وہ بڑا ہوا تو اسی کو ذبح کر کے کھا گئے۔

ہارون رشید نے جب یہ مکالمہ سنا تو اس امید پر پھر کمرے میں داخل ہو گئے کہ ہو سکتا ہے کہ اب دینار قبول کر لیں، فضیل بن عیاض کو جب احساس ہوا کہ خلیفہ پھر سے کمرے میں آ گئے ہیں تو وہ کمرے سے نکل کر چھت پر چلے گئے، ہارون رشید بھی ان کے پیچھے چھت پر آ گئے، اور ان سے بات کرنے کی کوشش کی، مگر انہوں نے کچھ جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک کالی سی لڑکی آئی اور ہارون رشید سے کہا کہ آپ شیخ کو بہت تکلیف دے چکے ہیں، اب خدا کے واسطے چلے جائیے، یہ سن کر ہارون رشید وہاں سے رخصت ہو گئے۔ (صفۃ الصفوۃ۔ ص ۳۸۸)

حضرت فضیل بن عیاض کی وفات ۱۸۷ھ میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ رحمه الله رحمة واسعة

☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تہجد گزار بندے

حضرت فضیل بن عیاض بن مسعود بن بشر علیہ الرحمہ

مولانا محمد عرفات اعظمی

استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ نے ''تہجد گزار بندے'' کے عنوان سے ایک سلسلۂ مضمون شروع کیا تھا، جو بہت مقبول ہوا، اور کتابی صورت میں بھی شائع ہوا، اس کے کئی ایڈیشن چند سال میں نکل گئے، ابھی حال میں اس کا مکمل ایڈیشن ''مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد'' سے شائع ہوا، جو ۲۷۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد عرفات سلّمہٗ نے ارادہ کیا کہ اس سلسلے کو حضرت مولانا کے انداز پر آگے بڑھایا جائے، یہ مضمون اسی کی ایک کامیاب کوشش ہے، اللہ تعالیٰ انھیں توفیق بخشیں کہ وہ اسے بحسن وخوبی تکمیل تک پہونچائیں، آمین۔ (ضیاء الحق خیرآبادی)

حضرت فضیل بن عیاض گروہ اولیا واتقیا کے اس حلقے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے نفس نفس کی پاکیزگی کی قسم کھائی جاسکتی ہے، جن کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا رضائے الٰہی کے حصول کے لئے وقف تھا، جن کے احساسات وجذبات، کیفیات وواردات کا محور صرف اور صرف خداوند قدوس کی رضا جوئی تھا، جن کے سارے تگ وتاز کی تان تقوی وخشیت الٰہی پر آکر ٹوٹتی تھی۔

آپ سمرقند میں پیدا ہوئے، ابیورد میں آپ کی نشو ونما ہوئی، تحصیل علم حدیث کے لئے بڑی عمر میں کوفہ پہونچے، اور حضرت منصور، اعمش، بیان بن بشر، حصین بن عبدالرحمان، لیث، عطا بن السائب، ابواسحاق شیبانی، ابن ابی یعلی، جعفر الصادق اور حمید الطّویل سے حدیث کی سماعت کی۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک، یحییٰ بن القطان، عبدالرحمان بن مہدی، ابن عیینہ، الاصمعی، عبدالرزاق، امام شافعی، ابن وہب، مسدد، قتیبہ جیسے اساطین نے آپ سے حدیث بیان کی۔

فضیل بن عیاض کی ابتدائی حالت اچھی نہیں تھی، یہ ڈاکو تھے اور راہ چلتے مسافروں کو لوٹا

کرتے تھے، بعد میں توفیق الٰہی متوجہ ہوئی اور وہ اس فعل سے نہ صرف تائب ہوئے بلکہ اپنے زمانہ کے اولیاء وصالحین کے سردار بنے، ان کی توبہ کا واقعہ بھی دلچسپ ہے۔

فضل بن موسیٰ کی روایت ہے کہ فضیل بن عیاض ابیورد اور سرخس کے درمیان ڈاکہ زنی کیا کرتے تھے، ان کے توبہ کا سبب ایک لڑکی کا عشق بنا۔ ایک دن دیوار پر چڑھ کر اپنی محبوبہ کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک ان کی سماعت سے یہ آیت ٹکرائی'' اَلَمۡ یَأۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُهُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰهِ ''(سورہ حدید ۱۶) کیا وقت نہیں آیا ایمان والوں کو کہ گڑگڑائیں ان کے دل اللہ کی یاد سے۔ (ترجمہ شیخ الہند) آیت کا سننا تھا کہ ان کی حالت متغیر ہوگئی، بے ساختہ زبان سے نکلا'' بلیٰ یارب قد آن''. (کیوں نہیں اے رب! وہ وقت آ گیا) وہاں سے اپنے اڈے پر آئے، دل کی دنیا زیر وزبر ہوچکی تھی، شرمسار وپشیمان بیٹھے تھے کہ ایک قافلے کا گزران کے قریب سے ہوا، رات ہو چکی تھی، قافلہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہم ٹھہریں گے نہیں، سفر جاری رکھیں گے، دوسرے نے کہا کہ نہیں، بلکہ یہیں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں، صبح کو آگے چلیں گے، کیوں کہ اگر اس وقت آگے بڑھے تو فضیل ہمیں لوٹ لے گا۔ دل کی حالت تو پہلے ہی سے دگرگوں تھی، مسافروں کے اس مکالمے نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ سوچا کہ رات میں مَیں خدا کی نافرمانی اور ڈاکہ زنی کرتا ہوں، میری اس حرکت سے مخلوق خدا کس قدر خوف زدہ ہے؟ یہ سوچ کر فوراً خدا کے حضور تائب ہوئے اور ڈاکہ زنی کے پیشہ کو ترک کرنے کا عزم کرلیا۔

ان کی یہ توبہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہوئی، اور ایسی قبول ہوئی کہ باید وشاید، پھر تو عالم اسلام کے افق پر ان کا نام ایسا روشن ہوا کہ آج بھی اس کی تابانی محسوس ہوتی ہے۔ علماء اسلام اور زہاد مسلمین میں ایک خاص وممتاز مقام پر فائز ہوئے، عالم اسلام کے معتبر اور مستند شیوخ نے ان پر اطمینان کا اظہار کیا اور ان کے ثقہ ہونے کی گواہی دی۔ کچھ شہادتیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے کہا کہ فضیل بن عیاض ثقہ ہیں۔

عجلی فرماتے ہیں کہ فضیل بن عیاض ثقہ، عبادت گزار اور صالح انسان ہیں۔

ابوحاتم نے کہا کہ فضیل بن عیاض صدوق ہیں (بہت سچے ہیں)

نسائی نے کہا کہ فضیل بن عیاض ثقہ، مامون اور صالح انسان ہیں۔ دارقطنی نے بھی ان کو ثقہ قرار دیا۔

محمد بن سعد نے کہا کہ فضیل بن عیاض خراسان میں پیدا ہوئے، ابیورد میں پرورش

ہوئی، خاصی عمر ہوچکی تھی تب کوفہ آئے، منصور وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، پھر عبادت وریاضت میں لگ گئے، اور مکہ مکرمہ میں مقیم ہوگئے۔ خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں ۱۸۷ھ میں مکہ میں انتقال ہوا۔ وہ ثقہ، فاضل، عبادت گزار، پرہیزگار اور کثیر الحدیث تھے۔

عبداللہ بن مبارک نے فرمایا کہ میں نے سب سے زیادہ عبادت گزار عبدالعزیز بن رواد کو، سب سے زیادہ پرہیزگار فضیل بن عیاض کو، سب سے بڑا عالم سفیان ثوری کو اور سب سے بڑا فقیہ ابوحنیفہ کو پایا، فقہ میں ابوحنیفہ جیسا میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔

ابراہیم بن شماش کہتے ہیں کہ فقہ، پرہیزگاری اور علم میں وکیع، فضیل اور ابن مبارک سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہیں پایا۔ (سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۳۹۳)

ابراہیم بن اشعث بیان کرتے ہیں کہ میں نے فضیل بن عیاض سے زیادہ خدا کا استحضار رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا، جب خدا کا ذکر کرتے یا قرآن سنتے تو ان پر خشیت کی کیفیت طاری ہوجاتی، آنکھیں ڈبڈبا جاتیں، بسا اوقات اس شدت سے گریہ طاری ہوتا کہ حاضرین مجلس کو ان پر ترس آنے لگتا۔ ہمیشہ مغموم اور فکرمند رہا کرتے تھے۔ مزید کہتے ہیں کہ فضیل بن عیاض ایسے شخص ہیں جن کا علم، جن کی سخاوت، جن کی محبت ونفرت، سب رضائے الٰہی کے محور پر گردش کرتی ہیں۔

کسی جنازے میں ہوتے تو مسلسل لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے رہتے، اور روتے رہتے، جب قبر کے پاس پہونچتے تو ایسے رہتے جیسے مردوں کے درمیان ہوں، یعنی غم وگریہ کے آثار ان کے چہرے پر ہوتے، اور جب تدفین کے بعد واپس لوٹتے تو ایسا لگتا جیسے آخرت سے لوٹ رہے ہوں۔

محمد بن حاتم کی روایت ہے کہ فضیل بن عیاض نے کہا کہ اگر مجھے اختیار دیدیا جائے کہ میں جہانِ آخرت میں جاؤں اور جنت میں داخل ہوجاؤں، یا سرے سے اُس دنیا میں جاؤں ہی نہیں، تو میں نہ جانے کو پسند کروں گا۔ محمد بن حاتم نے پوچھا کہ آیا اس کی وجہ اللہ سے شرم ہے یا کچھ اور؟ تو جواب دیا کہ محض خدا سے شرم کی وجہ سے میں ایسا کروں گا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر مجھے اختیار مل جائے کہ میں کتوں کے ساتھ رہوں اور انہیں کے ساتھ مروں، اور مجھے قیامت کے دن حساب وکتاب کیلئے نہیں اٹھایا جائے گا، تو میں اس کو اختیار کرلوں گا۔

فرمایا کہ اگر لوگوں کو موت کی حقیقت معلوم ہوجائے تو ان کا کھانا پینا اور دنیا سے نفع حاصل کرنا، سب چھوٹ جائے، نہ شادی کریں اور نہ ہی اولاد کی خواہش کریں۔ مجھ کو سب سے زیادہ خوشی

اس وقت ہوگی جب میں موت کی حقیقت کو خوب اچھی طرح سے جان لوں، اور میری عقل خبط ہوجائے اور حطام دنیا سے انتفاع کا سلسلہ یکسر منقطع ہوجائے۔

اسحاق بن ابراہیم کا بیان ہے کہ میں نے فضیل بن عیاض سے زیادہ اپنے نفس سے غیر مطمئن اور خدا کی ذات سے پر امید کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ غمگین لہجہ میں آہستہ آہستہ تلاوت کیا کرتے تھے، جیسے کسی سے مخاطب ہوں، اور جب کسی ایسی آیت پر پہونچتے جس میں جنت کا ذکر ہوتا تو اس کو بار بار دہراتے۔ وہ رات میں مسجد میں کنکر بچھا دیتے، اور نماز میں مشغول ہوجاتے، جب نیند کا غلبہ ہوتا تو کنکروں پر تھوڑی دیر کے لئے سو رہتے، اور پھر اٹھ کر نماز میں لگ جاتے، پھر جب نیند کا زور ہوتا تو کنکر پر پڑ رہتے اور تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کر نماز میں مصروف ہوجاتے۔ یہ سلسلہ صبح تک چلتا رہتا۔

وہ درست بات کہنے والے زبان کے سچے انسان تھے، جناب نبی ﷺ کی حدیث بیان کرتے وقت ان پر ہیبت طاری ہوجاتی تھی، حدیث پاک کا بیان کرنا ان کے لئے ازحد مشکل ہوا کرتا تھا، بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ اگر مجھ سے درہم و دینار کا مطالبہ کیا جائے تو حدیث بیان کرنے کے مقابلہ میں، وہ دینا میرے لئے آسان ہے۔

ان کا یہ کہنا غایت احتیاط وتقوی کی وجہ سے ہے کہ مبادا حدیث کے ادب کے خلاف کوئی بات یا حرکت سرزد ہوجائے اور سوءِ ادب کا وبال سر پر آجائے۔

فرمایا کہ جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی آزمائش بھی زیادہ ہوتی ہے، اور اس کی محبت مخلوق کے دل میں راسخ کر دیتا ہے۔ اور جب کسی کو ناپسند کرتا ہے تو اس پر دنیا کے دروازے کھول دیتا ہے، یعنی اس کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوجاتی ہے۔

اسحاق بن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں نے سن رکھا تھا کہ فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ رب العزت کی قسم، اگر مجھے جہنم میں بھی داخل کر دیا جائے تو بھی میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں گا۔ ایک مرتبہ میں ان کے ساتھ وقوف عرفہ میں تھا، میں نے دیکھا کہ وہ داہنے ہاتھ کو چہرے پر اور دوسرے کو سر پر رکھے مسلسل آنسو بہا رہے ہیں، یہاں تک کہ کوچ کا وقت ہوگیا۔ پھر آسمان کی طرف دیکھا اور صرف اتنا کہا ''ہائے میری برائیاں! اگر آپ معاف فرمادیں تو یہ محض آپ کا فضل ہے''۔

فرمایا کہ اگر دنیا بتمام وکمال حلال بنا کر مجھے پیش کر دی جائے اور یہ بھی کہہ دیا جائے کہ آخرت میں مجھے اس کا حساب نہیں دینا ہے، تب بھی میں اس سے ایسے ہی بچ بچا کر نکلنے کی کوشش

کروں گا جیسے راستہ چلنے والا مردار سے بچ کر نکلتا ہے۔

فرمایا کہ دل میں اسلام اس وقت تک راسخ نہیں ہوسکتا جب تک کہ علائق دنیا سے بالکلیہ قطع تعلق نہ کرلیا جائے۔کسی نے پوچھا کہ زہد فی الدنیا کیا ہے؟ فرمایا کہ قناعت اور علائق دنیا سے مستغنی ہونا۔پوچھا کہ پرہیزگاری کیا ہے؟ جواب دیا کہ محارم سے اجتناب کرنا۔سوال کیا کہ عبادت کیا ہے؟ جواب دیا فرائض کا ادا کرنا۔تواضع کیا ہے؟ فرمایا حق کے لئے جھک جانا اور فرماں بردار ہوجانا۔اگر حق بات بچے سے بھی سنے تو قبول کرلے،اور اگر کسی جاہل سے سنے تو بھی قبول کرلے۔پھر سوال ہوا کہ صبر علی المصیبت کیا ہے؟ فرمایا کہ مصیبت کا ڈھنڈھورا نہ پیٹنا۔

فرمایا کہ عالم دو طرح کے ہیں،ایک دنیا کے جاننے والے،اور دوسرے آخرت کے جاننے والے۔دنیا کے عالم کا علم منشور ہے،اور آخرت کے عالم کا علم مستور ہے۔لوگوں کو چاہئے کہ آخرت کے عالم کا اتباع کریں،اور دنیا کے عالم سے احتراز کریں۔پھر یہ آیت پڑھی'' اِنَّ كَثِيْـرًا مِنَ الْاَحْبَـارِ وَالـرُّهْبَـانِ لَيَـأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ''(سورہ توبہ:۳۴) بہت سے عالم اور درویش کھاتے ہیں مال لوگوں کے ناحق۔(ترجمہ شیخ الہند) اور فرمایا کہ احبار سے مراد علما اور رہبان سے مراد عابدین ہیں۔مزید فرمایا کہ علما بہت ہیں اور حکماء کم ہیں،قرآن میں علم سے مراد حکمت ہے۔'' وَمَـــنْ يُـؤْتَ الْـحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ''(سورہ بقرہ:۲۶۹) اور جس کو سمجھ ملی اس کو بڑی خوبی ملی (ترجمہ شیخ الہند) اگر علما صبر سے کام لیں تو انہیں بادشاہوں کے دروازہ پر جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔کسی نے کہا کہ علماء انبیا کے وارث ہیں،تو فرمایا کہ حکماء انبیا کے وارث ہیں۔ایک موقع پر فرمایا کہ قرآنی علوم کا حامل انسان،اسلام کا جھنڈا اٹھانے والے کے مترادف ہے،اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لہو ولعب میں مشغول ہو یا کسی ایسے کام میں لگے جو اس کو غافل کردے۔حاملِ علوم قرآن کو ایسا ہونا چاہئے کہ دنیا اس کی طرف متوجہ ہو،اور اس سے فائدہ اٹھائے،نہ کہ وہ دنیا والوں کی طرف رغبت کرے۔

فرمایا کہ بندہ ایمان کی لذت وحقیقت سے اس وقت تک آشنا نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ مصائب کو نعمت اور کشادگی کو مصیبت نہ سمجھنے لگے۔ایمان کی حلاوت اس دل پر حرام ہے جو دنیا سے زہد اختیار نہ کرے۔(حلیۃ الاولیاء ج۸ ص۸۷)

خلیفہ ہارون رشید سے ملاقات:

صاحب ''صفۃ الصفوۃ'' نے خلیفہ ہارون رشید اور حضرت فضیل بن عیاض کی ملاقات کا تفصیلی

تذکرہ کیا ہے، اس ملاقات کے راوی ہارون رشید کے وزیر فضل بن ربیع ہیں، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

ہارون رشید حج کے لئے گئے تو فضل بن ربیع سے ایک دن کہا کہ مجھے کسی ایسے عالم سے ملاؤ جس سے میں کچھ پوچھ سکوں۔ فضل بن ربیع پہلے ان کو سفیان بن عیینہ کے پاس لے گئے، ان سے سیری نہیں ہوئی تو عبدالرزاق بن ہمام کے پاس لے گئے، ان سے بھی تسلی نہیں ہوئی تو فضیل بن عیاض کے پاس لے گئے۔ جب فضیل بن عیاض کے پاس پہونچے تو وہ نماز میں مشغول تھے، بلند آواز سے قرأت کر رہے تھے اور ایک ہی آیت کو بار بار دہرا رہے تھے۔

دروازہ کھٹکھٹایا تو پوچھا کون؟ جواب ملا کہ امیر المومنین ملاقات کے لئے تشریف لائے ہیں، اندر ہی سے جواب دیا کہ میرا اور امیر المومنین کا کیا جوڑ؟ فضل نے کہا کہ کیا آپ پر امیر المومنین کی اطاعت واجب نہیں ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''لیس للمومن ان یذل نفسہ'' جب یہ سنا تو نیچے آئے اور دروازہ کھول کر تیزی سے کمرے میں گئے اور چراغ بجھا دیا۔ پیچھے سے ہارون رشید اور فضل کمرے میں داخل ہوئے، اندھیرے میں ہارون رشید کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے ٹکرایا، کہا کہ کتنا ملائم ہاتھ ہے اگر اللہ کے عذاب سے بچ جائے۔

پھر جب گفتگو شروع ہوئی تو انہوں نے ہارون رشید سے کہا کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلافت سونپی گئی تھی تو انہوں نے سالم بن عبداللہ، محمد بن کعب القرظی اور رجاء بن حیوۃ کو بلایا، اور ان سے کہا کہ مجھے اس مصیبت میں پھنسا دیا گیا ہے، اب آپ ہی لوگ کچھ مشورہ دیجئے۔ انہوں نے تو کارِ خلافت کو مصیبت سمجھا، اور تم اور تمہارے قبیلے کے لوگ اسے نعمت سمجھتے ہیں۔ سالم بن عبداللہ نے مشورہ دیا کہ اگر کل خدا کے عذاب سے نجات چاہتے ہو تو دنیا اور حطام دنیا سے روزہ رکھ لو، موت تمہارے اس روزہ کے لئے افطار بن جائے گی۔ محمد بن کعب القرظی نے کہا کہ اگر نجات چاہتے ہو تو رعایا میں سے بڑی عمر کے لوگوں کو اپنے باپ کے درجے میں رکھو، اوسط عمر والوں کو بھائی سمجھو، اور کم عمر والوں کو بیٹے کے مانند جانو۔ باپ کی تعظیم کرو، بھائی کی عزت کرو اور بیٹوں پر رحم کرو۔ رجاء بن حیوۃ نے کہا کہ اگر کل قیامت کے دن نجات کے طلب گار ہو تو لوگوں کے لئے وہی چیز پسند کرو، جو اپنے لئے کرتے ہو، اور جو چیز اپنے لئے ناپسند کرتے ہو، وہ لوگوں کے لئے بھی ناپسند کرو۔ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ایسا کوئی مشیر آپ کے پاس بھی ہے؟ یہ سن کر ہارون پر شدت کے ساتھ گریہ طاری ہو گیا، جب افاقہ ہوا تو مزید کی فرمائش کی، تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ آپ کے پاس

آئے اور عرض کی کہ مجھے بھی کہیں کی امارت دید یجئے، تو آپ نے فرمایا کہ " ان الامارة حسرة وند امة يوم القيامة فان استطعت ان لا تكون اميرا، فافعل'' ہارون رشید کا رونا جاری تھا، آپ نے ان کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اے حسین چہرے والے! اللہ تعالی تم سے قیامت کے دن مخلوق کے بارے میں پوچھیں گے، اگر اپنے چہرے کو آگ سے بچانا چاہتے ہو تو سنو! ہرگز ہرگز تمہارے دل میں رعایا میں سے کسی کے لئے کینہ نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "من أصبح لهم غاشا لم يرح رائحة الجنة" یہ سن کر ہارون رشید کی حالت مزید دگرگوں ہوگئی۔

گفتگو کا سلسلہ جب رکا تو ہارون رشید نے پوچھا کہ آپ پر کسی کا قرض ہے؟ فرمایا کہ ہاں، میں اپنے رب کا مقروض ہوں، جس کا مجھ سے حساب لیا جائے گا، پس میرے لئے ہلاکت ہے اگر مجھ سے سوال کر دیا گیا یا حساب میں تھوڑی سی بھی سختی کر دی گئی۔ خلیفہ نے کہا کہ میں بندوں کے قرض کے بارے میں پوچھ رہا ہوں، تا کہ میں کچھ مدد کر سکوں، فرمایا کہ میرے رب نے مجھے اس کا حکم نہیں دیا ہے، میرے لئے تو صرف توحید پر جمے رہنے اور امر کی طاعت کا حکم ہے، اللہ نے فرمایا ہے: "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِنْ رِزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُطْعِمُوْنِ ○اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ " (سورذاریات: ۵۶/۵۷/۵۸) اور میں نے جو بنائے جن اور آدمی، سو اپنی بندگی کو۔ میں نہیں چاہتا ان سے روزینہ اور نہیں چاہتا کہ مجھ کو کھلائیں۔ اللہ جو ہے وہی ہے روزی دینے والا زور آور مضبوط۔ (ترجمہ شیخ الہند)

ہارون رشید نے ایک ہزار دینا پیش کیا اور درخواست کی کہ اہل وعیال کے خرچ کے لئے رکھ لیجئے، فرمایا سبحان اللہ! میں نے آپ کو نجات کا راستہ بتلایا اور آپ بدلے میں مجھے یہ دے رہے ہیں۔ اپنے پاس رکھئے، یہ کہہ کر خاموش ہو گئے، پھر بات نہیں کی تا آنکہ یہ لوگ باہر چلے گئے۔

باہر نکل کر ہارون رشید نے فضل سے کہا کہ جب میں کسی سے ملنے کی خواہش کروں ایسے آدمی سے ملایا کرو۔ هذا سيد المسلمين

ابھی یہ لوگ دروازے کے باہر کھڑے ہو کر یہ بات کر ہی رہے تھے کہ فضیل بن عیاض کی بیوی ان کے پاس آئیں اور کہا کہ آپ تو جانتے ہی ہیں کس تنگی دستی میں آج کل گزر رہو رہا ہے، اگر دینار لے لئے ہوتے تو کچھ دنوں کے لئے راحت ہو جاتی۔ انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری مثال اور تم لوگوں کی مثال اس قوم کی طرح ہے، جس کے پاس ایک اونٹ کا بچہ تھا، (بقیہ ص: ۲۹ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بہترین عورت

حدیث رسول کے آئینے میں

مولانا قمر الحسن قاسمی مہراج گنجی
استاذ (شعبہ عربی) مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد شہر اعظم گڑھ

مشہور محدث امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سجستانی (ولادت ۲۰۲ھ وفات ۲۷۵ھ) نے اپنی معروف ومشہور کتاب ابوداؤد شریف میں جو حدیث کی چھ مشہور اور صحیح ترین کتابوں میں سے ایک ہے، تین جملوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی حدیث نقل کی ہے جو تلفظ وتحریر کے اعتبار سے تو نہایت مختصر ہے لیکن معنویت کے اعتبار سے بے حد جامع ہے۔ موجودہ دور کی عورتوں کے حالات کے اعتبار سے بہت ہی قابل غور ہے اور اس کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا اور انھیں عمل میں لانے کا اہتمام کرنا بہت ہی ضروری ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ ہیں جو اُن خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، رئیس اور ذی علم گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور توریت کے زبردست عالم تھے، ہجرت نبویؐ کے بعد نبی آخر الزماں ﷺ اور قرآن مجید پر بھی ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ اہل کتاب صحابہ وتابعین کے مصنف نے صحیح بخاری کے حوالہ سے اس طرح بیان کیا ہے:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے اور مالک بن نجار کے محلّہ میں ناقہ سے اترے تو عبداللہ بن سلامؓ کو خبر ہوئی وہ اپنے بچوں کے لئے باغ میں پھل چننے گئے تھے، جلدی سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جو انبیاء کے سوا کسی کو معلوم نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا جواب دیا تو فوراً بول اٹھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

اس کے بعد کہا کہ یہود افتراء پرداز قوم ہے اور میں عالم بن عالم اور رئیس بن رئیس ہوں، آپ ان کو بلا کر میری نسبت دریافت کیجئے لیکن میرے مسلمان ہونے کی خبر نہ دیجئے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو بلا کر اسلام کی دعوت دی اور کہا: عبداللہ بن سلام کون شخص ہیں؟ بولے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ فرمایا: وہ مسلمان ہو سکتے ہیں؟ جواب ملا، کبھی نہیں۔ عبداللہ بن سلام مکان کے ایک گوشے میں چھپے ہوئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی تو کلمہ پڑھتے ہوئے باہر نکل آئے اور یہودیوں سے کہا: ذرا خدا سے ڈرو تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ رسول ہیں اور ان کا مذہب بالکل سچا ہے اور بایں ہمہ ایمان لانے پر تم لوگ آمادہ نہیں ہوئے۔ یہود کو خلاف توقع جو خفت اٹھانی پڑی اس نے ان کو آتش زیرپا کر دیا اور غصہ میں کہا کہ: تم جھوٹے ہو اور ہماری جماعت کے بدترین شخص ہو اور تمہارا باپ بھی بدترین شخص تھا۔ حضرت عبداللہؓ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دیکھا مجھ کو اسی کا خوف تھا۔''

بہترین عورت کے اوصاف

یہی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خَیْرُ النِّساءِ تَسُرُّکَ اِذَا اَبْصَرْتَ، تُطِیْعُکَ اِذَا اَمَرْتَ، تَحْفَظُ غَیْبَتَکَ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِکَ.

''بہترین عورت (بیوی) وہ ہے جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوش کر دے، جب تم اسے کسی کام کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے اور تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے مال اور اپنی ذات کی حفاظت کرے۔

آپ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو پھر پڑھئے: (**خَیْرُ النِّساءِ تَسُرُّکَ اِذَا اَبْصَرْتَ، تُطِیْعُکَ اِذَا اَمَرْتَ، تَحْفَظُ غَیْبَتَکَ فِیْ نَفْسِھَا وَمَالِکَ.**)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس ذات عالی مقام کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا اور جوامع الکلم سے متصف کیا، انھوں نے دنیا میں آ کر قیامت تک آنے والے انسانوں کو مہد سے لحد تک، پیدائش سے موت تک زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا، رہنے سہنے کا ڈھنگ سکھلایا، بیوی کے ساتھ، بچوں کے ساتھ، والدین کے ساتھ، اپنوں کے ساتھ، غیروں کے ساتھ، پڑوسیوں کے ساتھ، محلے والوں کے ساتھ، دیہاتیوں کے ساتھ، قصبہ والوں کے ساتھ اور شہر والوں کے ساتھ تعلقات نباہنے کا

گُر بتایا، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ زوجین کے درمیان خوشگوار زندگی گزارنے کا کوئی فارمولہ نہ بتایا ہو؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے کا دل جیتنے کا ہنر نہ سکھایا ہو؟ نہیں اور سو بار نہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول رحمت ایک بار پھر پڑھئے اور سر دھنئے، کتنی قیمتی بات ارشاد فرما گئے۔ یہ زندگی کو خوشگوار بنانے والی ایسی جامع بات ہے کہ اسے سنہرے حروف میں لکھ کر طغریٰ میں فریم کرا کے ایک باپ اپنی بیٹی کو ایک بھائی اپنی بہن کو ایک سہیلی اپنی سہیلی کو بوقت رخصت تحفہ میں پیش کرے۔

اب آیئے رحمت عالمؐ کے اس قول گرانمایہ کی تھوڑی تشریح کر لیں۔ مذکورہ بالا حدیث میں نبی رحمتؐ نے ایک خاتون کے بہترین ہونے کی تین بنیادی اسباب بیان فرمائے ہیں، جن کے باعث ہر عورت بلند مرتبے پر فائز ہوسکتی ہے، یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ جو نیک خاتون نبی رحمتؐ کے اس ارشاد عالی کو مضبوطی سے تھام لے گی، وہ اپنے گھر کو خوش بختی اور مسرتوں کا گہوارہ بنا دے گی اور اپنے خاوند کے ساتھ نہایت خوش وخرم زندگی بسر کرے گی اور جو خاتون اس سے اعراض و بے توجہی کرے گی، اس کو رنج وغم اور تکلیف کی تلخیوں کو سہنا پڑے گا اور اس کا گھر دکھوں اور مشکلات و پریشانیوں کی آماج گاہ بن جائے گا۔

شوہر کو خوش کرنا

تین بنیادی اسباب میں سے پہلا سبب خَیرُ النِّساءِ تَسُرُّکَ اِذَا اَبْصَرْتَ ''بہترین عورت وہ خاتون ہے کہ جب تم اس کی طرف نگاہ کرو تو وہ تمہیں خوش کر دے''

حدیث شریف کے اس ٹکڑے میں غور کرنے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ عورت پر شوہر کے حقوق میں سے ایک حق یہ بھی ہے کہ وہ اپنے قول وفعل، اخلاق وکردار کے ساتھ اپنے ظاہری حسن و جمال کو بھی اس طرح سجا، سنوار کر رکھے کہ جب اس کا سرتاج اس کی طرف نظر اٹھائے تو اسے دیکھ کر اس کا دل خوش ہو جائے۔ اسے اس کے پاس جانے کا جی چاہے۔ اس کے پہلو میں سکون محسوس کرے۔ لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا کی پوری پوری مصداق ہو۔

یہاں ٹھہر کر ہم اپنی نیک بہنوں کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ ہم اپنا اپنا جائزہ لیں، ہماری ذات سے ہمارے شوہر کو قلبی سکون میسر ہے یا نہیں؟ اور ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ ہمارا شوہر دن بھر کے کام دھندوں سے فارغ ہو کر، ذہنی اور جسمانی اعتبار سے بالکل تھک کر چور ہو کر گھر واپس

آتا ہے تو کیا ہم اس کے جسمانی تھکاوٹ اور ذہنی خلش کے اضافے کا سبب بنتی ہیں یا اس کے جسم وجان اور روح کو تازگی بخشتی ہیں؟

میری اسلامی بہنو! جب رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں پر شوہر کا یہ حق قرار دیا کہ اس کی ذات سے شوہر کو قلبی سکون حاصل ہو تو انھیں چاہئے کہ شوہر کے گھر میں آنے سے پہلے ہی گھریلو کام دھندوں سے اپنے آپ کو فارغ کر کے، اپنے آپ کو سجا سنوار کر دلآویز مسکراہٹ کے ساتھ شوہر کا استقبال کریں اور اپنے آپ کو خَیرُ النِّساءِ تَسُرُّکَ اِذَا اَبصَرتَ کا مصداق بنائیں۔

تجربہ شاہد ہے کہ سخت سے سخت دل مرد بھی اپنی شریک حیات کے اس ادائے دلربا پر فریفتہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور اسے بہت جلد احساس ہو جائے گا کہ اس کی بیوی نہایت بے لوث ہو کر کسی مالی غرض سے پاک، حقیقی اور سچی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کر رہی ہے اور زبان حال سے کہہ رہی ہے: تمہارے آنے سے میں بہت خوش ہوں اور تمہیں دیکھ کر حد درجہ مسرور ہوں، اس وقت شوہر کو یہ کہنا مناسب ہوگا: تمہاری یہ مسکراہٹ آخرت میں نیکیوں کا باعث بن جائے گی، کیوں کہ یہ مسکراہٹ بھی ان صدقات میں سے ہے جنھیں تم اپنے نامۂ اعمال میں درج کرا رہی ہو۔ اس کی تائید رسول رحمتؐ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: تَبَسُّمُکَ فِی وَجهِ اَخِیکَ لَکَ صَدَقَةٌ. ''اپنے مسلمان بھائی کو دیکھ کر تیرا مسکرانا بھی صدقہ ہے۔'' (ترمذی باب ما جاء فی صنائع المعروف)

اب ہم چاہتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں ازواج مطہرات کی زندگی کی کچھ جھلکیاں دیکھاتے چلیں کہ انھوں نے اپنے سرتاج آقا مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کو قلبی سکون وراحت پہنچانے کے لئے کیا اخلاق وکردار پیش کیا۔

حضرت خدیجہ کی تسلی

اس وقت کو ذہن میں تازہ کیجئے جب اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بارگراں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے پر ڈالا تو جلال الٰہی کے غلبہ سے آپ کا قلب مبارک کانپ رہا تھا، آپؐ اپنی غمگسار، معین ومددگار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ''مجھے چادر اڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ'' آپ کو چادر اڑھائی گئی، جب خوف وگھبراہٹ کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کو سارے حالات سے آگاہ کیا اور بتلایا کہ ''مجھے اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا'' اس پر آپ

کی جاں نثار، معین ومددگار بیوی نے جن عظیم کلمات کے ذریعہ آپؐ کو تسلی دی وہ انھیں کا حصہ تھا۔ تسلی کے کلمات کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَداً انّكَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَتَقْرِى الضَّيْفَ وَتُعِيْنُ عَلىٰ نَوَائِبِ الْحَقّ.

''آپ متردد نہ ہوں، بخدا ایسا ہر گز نہیں ہوسکتا، اللہ آپؐ کو رسوا نہ کرے گا، کیوں کہ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، بے کسوں کا تعاون کرتے ہیں۔ مہمانوں کی ضیافت اور قدرتی آفات میں لوگوں کی امداد کرتے ہیں۔''

تسلی کے ان کلمات کو بار بار پڑھیں، دیکھیں، غور کریں کہ ایک سچی غمگسار شریک حیات نے اپنے لائق فائق سرتاج کا غم غلط کرنے کی کامیاب کوشش کی۔

تسلی کا انوکھا انداز

حضرت خدیجہؓ کی تسلی اور تصدیق کا ایک اور البیلا انداز ملاحظہ ہو:

''اور ایک مرتبہ تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی تسلی وتشفی کا ایسا عجیب وغریب اور انوکھا انداز اختیار کیا کہ عقل وخرد کی رسائی سے بھی بالاتر تھا، جس کی تفصیل یہ ہے کہ انھوں نے ایک دن حضور انور ﷺ سے عرض کیا، کیا ممکن ہے کہ آپ ﷺ کے پاس جو فرشتہ آتا ہے اس کے آنے پر آپؐ مجھے مطلع کر دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! ممکن ہے، اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: یہ حضرت جبریل علیہ السلام یہاں موجود ہیں، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا اس وقت آپ انھیں دیکھ رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا ہاں! تو انھوں نے عرض کیا آپؐ میرے بائیں پہلو پر بیٹھ جائیں، آپؐ ان کے بائیں پہلو پر بیٹھ گئے، تو پوچھا کیا اب وہ آپ کو نظر آرہے ہیں آپ نے جواب دیا ہاں! تو عرض کیا کہ آپ میرے دائیں پہلو پر بیٹھ جائیں، آپ بیٹھ گئے تو انھوں نے پوچھا کیا اب بھی دکھائی دے رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو انھوں نے عرض کیا آپ میری گود میں آجائیں، آپ ان کی گود میں چلے گئے تو پوچھا کیا اب بھی نظر آرہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! نظر آرہے ہیں، تو اب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ کیا کہ اپنے سر سے اوڑھنی ہٹادی اور سر کھول دیا، پھر پوچھا بتایئے اب بھی نظر آرہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا نہیں، اس پر ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

نے کہا آپ ﷺ کے پاس آنے والی ذات فرشتہ ہی کی ہے نہ کہ شیطان کی، آپ ﷺ ثابت قدم رہئے اور نبوت کی بشارت قبول کیجئے، میں آپ پر ایمان لائی اور میں گواہی دیتی ہوں کہ آپؐ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ برحق ہے۔'' (امہات المومنین ص ۹۷-۹۸)

آفریں ہے امت کی اس عظیم ماں پر، اللہ کی ہزاروں کروڑوں رحمتیں نازل ہوں آپ کی لوح تربت پر۔

میری اسلامی بہنو! دیکھا آپ نے اماں خدیجہؓ نے کس طرح سے آپؐ کے پاس آنے والے کے فرشتہ ہونے پر استدلال کیا کہ بالوں کے کھل جانے پر وہ شرم وحیاء کی وجہ سے غائب ہوگیا۔ اگر شیطان ہوتا تو ہرگز غائب نہ ہوتا۔

شوہر کی فرمانبرداری

اب آیئے حدیث کے دوسرے ٹکڑے کی بھی وضاحت ہوجائے۔ **تُطِیْعُکَ اِذَا اَمَرْتَ** اس جملے میں رحمت عالمؐ نے عورت کو اپنے شوہر کی منظورِ نظر ہونے کے لئے دوسرا گُر بیان فرمایا ہے کہ ''جب تم اسے کسی بات کا حکم دو تو وہ تمہاری اطاعت کرے۔'' یہ ایسا نسخۂ کیمیا ہے جو کبھی بے اثر نہیں ہوتا۔ جو عورتیں اس پاک ارشاد پر عمل پیرا ہوتی ہیں، اور جن میں اطاعت شعاری کا جذبہ ہوتا ہے، ان کے گھر میں خوش نصیبی کا راج اور شادمانیوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس جو عورتیں اپنے آپ کو خاوند سے اعلیٰ یا ہم پلہ تصور کرتی ہیں اور صرف اپنی رائے کو اہم سمجھتی ہیں اور اپنے خاوند کی اطاعت صرف اسی معاملہ میں کرتی ہیں جو ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق ہو ایسی عورتیں اپنے اسی اندازِ فکر سے اپنے گھر کو برباد کرلیتی ہیں، خوشیوں کو رخصت کردیتی ہیں اور غموں کو دعوت دیتی ہیں۔

دنیا کا دستور ہے اجتماعی نظام کو خوش اسلوبی کے ساتھ چلانے کے لئے اپنے ہی میں سے کسی شخص کو حاکم، افسر اور ذمہ دار مقرر کیا جاتا ہے جس کی اطاعت کو سارے افراد ضروری سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو چھوٹا سے چھوٹا نظام بھی بحسن وخوبی انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح عائلی نظام کو خوشگوار بنانے کے لئے ضروری ہوا کہ کسی ایک کو حاکم وافسر کے درجہ میں رکھا جائے۔

قرآن نے زوجین کے حقوق اس فصیح وبلیغ انداز میں بیان کیا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ. (سورہ بقرہ:۲۲۸)

دستور کے مطابق عورتوں کے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں،

مردوں کے لئے ان پر ایک درجہ اور فضیلت ہے۔عبد الماجد دریابادیؒ تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں: اردو میں یہ مضمون اس طرح ادا ہوگا ''جس طرح مردوں کا حق عورتوں پر ہے، اسی طرح عورتوں کا حق بھی مردوں پر ہے۔'' اس آیت سے ان لوگوں کے باطل خیالات کی تردید ہوتی ہے، جنھوں نے یہ پروپیگنڈہ پھیلا رکھا ہے کہ اسلام میں عورتوں کا کوئی مقام نہیں، انھیں مردوں کی کنیز اور باندی بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم صاف لفظوں میں کہہ رہا ہے، عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اسی طرح مردوں پر عورتوں کے حقوق ہیں اور ان جدت پسند لوگوں کی خیالی عمارت کو بھی ڈھا دیا جو مرد و عورت کے درمیان مساوات کا نعرہ لگاتے ہوئے مرد کی حق قوامیت کو بھی انکار کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ بڑے مختصر جملے میں نہایت فصیح و بلیغ انداز میں دونوں خیالات کی تردید فرما کر، افراط وتفریط سے پاک ایک معتدل دستور زوجین کے لئے بیان فرمایا جس میں دونوں کے حقوق کو مساوی قرار دیا کہ جیسے عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں، اسی طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔ ہاں عائلی نظام کو درست رکھنے کے لئے عورتوں پر مردوں کو ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن عورتوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جنت کا راستہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد خاوند کے اطاعت سے شروع ہوتا ہے۔

آیئے ذرا حضرت حصین بن محصن رضی اللہ عنہ کی روایت پر نظر ڈالتے چلیں۔ حضرت حصین کی پھوپھی اپنے کسی کام سے کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئیں، جب اپنے کام سے فارغ ہوئیں تو نبی رحمت ﷺ نے ان سے دریافت کیا: أَذَاتُ زَوْجٍ اَنْتِ کیا تم شادی شدہ ہو؟ انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے پوچھا کَیْفَ اَنْتِ لَہٗ تمہارا اس کے ساتھ سلوک اور رویہ کیسا ہے؟ انھوں نے عرض کیا، میں اس کی خدمت اور اطاعت گزاری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی سوائے اس چیز کے جو میرے بس میں نہ ہو، آپؐ نے فرمایا اچھا یہ بتاؤ تم اس کی نظر میں کیسی ہو؟ کیوں کہ وہی تمہاری جنت اور جہنم ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون صحابیہ سے کَیْفَ اَنْتِ لَہٗ کے ذریعہ سوال کیا اور اس کا جو جواب خاتون نے دیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دور خیر القرون میں عورتیں اپنے اوپر شوہروں کا کیا حق سمجھتی تھیں۔ یہ صرف حضرت حصین کی پھوپھی کی بات نہیں بلکہ تمام ازواج مطہرات اور صحابیات کا اپنے شوہروں کے ساتھ یہی حال تھا، نمونے کے طور پر ہم ازواج مطہرات کے کچھ واقعات ذکر کرتے ہیں:

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو بہت مالدار تھیں اور سردار قوم کی بیٹی تھیں، اعلیٰ اخلاق کی مالک اور قبول صورت تھیں، بیوہ تھیں، اس کے باوجود رؤسائے مکہ ان سے نکاح کے خواہشمند تھے، لیکن ان کی نظر انتخاب مکہ کے یتیم نہیں دریتیم پر پڑی، آپؐ کی خدمت میں نکاح کا پیغام بھیجا، آپؐ نے قبول فرمالیا، اپنا پورا اثاث البیت آپؐ کی خدمت میں پیش کردیا۔ ہرطرح سے آپؐ کی خدمت کی، آپؐ کی تمام اولادیں انھیں کے بطن سے ہوئیں۔ بعثت سے قبل جب آپؐ پر تنہائی کا غلبہ ہوا اور آپؐ یکسو رہنے لگے، کئی کئی دن غار حرا میں رہ جاتے تو یہ آپؐ کو کھانا پہنچاتیں اور بچیوں سے بھیجتیں۔ نبوت کے بعد بھی جب پورا مکہ آپؐ کا مخالف ہوگیا، ہرطرح آپؐ کا تعاون کرتیں، مدد کرتیں اور تسلی دیتیں۔ آپؐ کو ان سے اتنی ڈھارس تھی کہ آپؐ کی وفات سے آپؐ کو حد درجہ صدمہ ہوا، اسی سال آپؐ کے چچا بھی فوت ہوگئے، یہ دونوں آپؐ کے لئے بڑے ڈھال تھے۔ اس سال آپؐ کو اتنی تکلیف ہوئی کہ اس سال کا نام عام الحزن (غم کا سال) پڑ گیا۔ ایک موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''میں نے سب کا حق ادا کردیا، سوائے خدیجہؓ اور صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ) کے۔''

حضرت عائشہؓ کی خدمت گزاری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اپنی کم عمری کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت خود ہی کرتی تھیں، امہات المومنین کے مصنف ''گھر کا کام کاج اور خدمت گزاری'' کے عنوان سے (ص ۲۲۷) پر لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ صدیقہؓ کے مکان میں کوئی باندی وغیرہ نہیں تھی، جو گھر کا کام کاج کرتی۔ بریرہؓ نامی ایک باندی آئی بھی تو اسے آزاد کردیا۔ مگر حضرت بریرہؓ نے آزادی کے بعد بھی کہیں جانا پسند نہیں کیا۔ بایں ہمہ گھر کا تمام کام کاج بالخصوص جن کا تعلق کسی نہ کسی درجے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہوتا اسے حضرت عائشہؓ بذات خود انجام دیا کرتی تھیں۔ ہدی کے جانور کا قلادہ بٹنا، سر مبارک میں کنگھا کرنا، جسم اطہر پر عطر ملنا، کپڑا دھلنا، سوتے وقت مسواک اور پانی قریب میں رکھنا، مسواک کی صفائی ستھرائی کا اہتمام کرنا، گھر میں کوئی مہمان آجائے تو میزبانی کا فریضہ انجام دینا، ام المومنین حضرت عائشہؓ کے معمولات زندگی میں داخل تھا۔ یہ تو امور خانہ داری سے متعلق آپؓ کی خدمات تھیں۔ اطاعت وفرمانبرداری سے متعلق آگے تحریر فرماتے ہیں:

عورت کی سب سے بڑی خوبی اپنے شوہر کی اطاعت، اس کے احکامات کی تعمیل اور مرضی

ومنشاء کے مطابق کام کرنا ہے۔ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اس جوہروخوبی سے مکمل آراستہ تھیں۔ چنانچہ نہایت کم عمر ہونے کے باوجود نوسال کی طویل صحبت ورفاقت میں کبھی انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی،اوراپنے کسی عمل کے بارے میں اگراندازواشارہ سے بھی یہ معلوم ہوگیا کہ میرافلاں کام آپؐ کی مرضی کے خلاف وناپسند ہےتو فوراًاس کا تدارک کیا،غالباً غزوۂ تبوک یاکسی اورغزوہ سے واپسی کے موقع کا واقعہ ہے۔آپؐ کے فاتحانہ واپس آنے پر حضرت عائشہؓ نے بطور استقبال دروازے پرایک باتصویرپردہ آویزاں کیا،آپؐ کی نگاہ مبارک اس پر پڑی تو چہرہ انور متغیر ہوگیا۔یہ منظر دیکھ کر حضرت عائشہؓ سہم گئیں،دست بستہ عرض کیا کہ اللہ کے رسولؐ قصور معاف،مجھ سے کون سی غلطی سرزد ہوگئی۔اس پر آپؐ نے ارشادفرمایا:جس گھر میں تصویرہو،اس میں ملائکہ داخل نہیں ہوا کرتے۔یہ ارشادگرامی سنتے ہی حضرت عائشہؓ نے اس پردہ کو چاک کرکے اس کا تکیہ یا گدا بنالیا۔

یہ تھیں ہماری پاکیزہ مائیں جن کا پاکیزہ عمل ہمارے لئے بہترین اسوہ ہے۔ان کی سیرت کے آئینہ میں ہم اپنی تصویر بغور دیکھیں کہ ہمارے اندربھی اپنے شوہر کی اطاعت شعاری کا یہ جذبہ موجود ہے یانہیں۔اگرہےتو موقع شکر ہے،اللہ کا شکرادا کریں اوردعا کریں اس جذبہ پر تاحیات قائم رکھےاوراگرکچھ کمی ہےتو فوراًاس کے تدارک کی کوشش کریں اوراپنے آپ کو ''تُطِیْعُکَ اِذَا اَمَرْتَ'' کا مصداق بنائیں۔ (باقی آئندہ)

☆☆☆☆☆

علوم ونکات (مجموعۂ مقالات ومضامین)

مؤلف:حضرت مولانااعجازاحمدصاحب اعظمیؒ

جلداول:صفحات:۵۸۴ جلددوم:صفحات:۶۰۰

عام قیمت مکمل سیٹ: ۱۰۰۰/روپئے

ناشر:مکتبہ ضیاءالکتب،خیرآباد،ضلع مئو(یوپی) Mob:9235327576

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مومن کی تین خصلتیں

حضرت مولانا قاضی اطہر مبارکپوری علیہ الرحمہ

ہم آپ کے سامنے مومن کی تین خصلتیں پیش کر رہے ہیں، جن کا تعلق اپنی ذات سے زیادہ غیروں سے ہے، اگر آپ غور کریں گے تو اسلامی تعلیمات کا بیشتر حصہ جو اغیار سے متعلق ہے اتنا اہم نظر آئے گا کہ مدارِ دین وایمان معلوم ہوگا اور اس پر عمل کرنا اسلام کی تکمیل وتحسین ہوگا۔ محسن انسانیت رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

عن أبی ذر قال قال رسول اللہ ﷺ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جارهٗ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيراً أو ليسكت (رواہ مسلم)

جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے تو اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے، جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی تعظیم وتکریم کرے، اور جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے وہ یا تو اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کر لے۔

مسلمان سب سے پہلے اپنی سوسائٹی میں اپنے اخلاق ظاہر کرے، اپنی اسلام دوستی کا ثبوت دے اور گرد وپیش کے لوگوں کے دلوں پر اسلام کا سکہ جمائے، تاکہ تمام محلّہ پکار اُٹھے کہ یہ ہے اللہ اور قیامت پر واقعی ایمان رکھنے والا، اور یہ ہے اپنے عقیدے پر عمل کرنے والا۔

اس کے بعد آنے جانے والوں کو اپنے اخلاق سے متاثر کر کے اپنی خوش خلقی کا شیدا بنائے۔ آنے والا مہمان مسلمان کے گھر سے واپس ہو تو اس کے اوصاف وخصائل کا تحفہ لے کر جائے اور دنیا کے سامنے اس کے گن گائے۔ دوسروں کو مسلمانوں کے قصے سنا سنا کر اسلام کا شیدائی بنائے۔ اس کے بعد تیسری بنیادی بات یہ ہے کہ مسلمان جس سوسائٹی میں ہو جن لوگوں میں ہو، اور جن حالات میں ہو، صداقت ودانائی کو ہاتھ سے نہ جانے دے، جو بات منہ سے نکالے ایسی جچی تلی ہو کہ اغیار حرف نہ رکھ

سکیں۔ مسلمان کی بات سن کر اس کے متعلق کوئی بدگمانی کرنے کا موقعہ نہ ملے اور کوئی یہ نہ کہہ دے کہ مسلمانوں کی باتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔

اگر بات کہنی ہو تو اچھی کہے ورنہ خاموشی اختیار کرے۔ اپنے پر دوسروں کو نکتہ چینی کرنے کا موقعہ نہ دے۔ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ایک مسلمان نے آج جھوٹ بول دیا۔ آپس میں غیبت کر کے جنگ کرادی۔ برے خیالات لوگوں میں پھیلا کر امن کی فضا مکدر کردی، کیونکہ ایک مسلمان کی بات زید، عمر، بکر کی بات نہیں ہوتی، بلکہ دنیا اسے ''مسلمان'' کی بات سمجھتی ہے اور اسی نظریہ سے اس کا جائزہ لیتی ہے۔

پس احتساب کرو کہ ہمسایہ کے ساتھ تمہارا کیا رویہ ہے، تم کتنے کو خوش رکھتے اور کتنے کو رنجیدہ! مہمانوں کے ساتھ تمہارا کیا برتاؤ ہے، ان کو دیکھ کر تمہارا چہرہ مسرت سے چمک جاتا ہے یا روح کانپ جاتی ہے؟ اور جو باتیں اپنے منہ سے نکالتے ہو کتنے وزن اور ناپ تول کے بعد نکالتے ہو اور لوگوں پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ ص: ۴۸ کا)

علماء دیوبند کے ایمان افروز اور روح پرور واقعات ان کے حالات پر لکھی ہوئی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب نے ان واقعات کو مختلف عناوین (جیسے ''حب نبوی'' ''اتباع سنت'' ''علماء کا مقام'') سے جمع کر دیا ہے، جس کے بعض حصے ''نمونے کے انسان'' کے عنوان سے بعض رسائل میں شائع ہوئے، جسے اب ان کے صاحبزادے مولانا محمد عرفات اعظمی نے بعض اضافوں کے ساتھ مرتب کیا جسے حضرت مولانا مرحوم کے علوم کے حامل وامین مولانا ضیاء الحق خیرآبادی نے اپنے مقدمہ کے ساتھ اپنے مکتبہ ضیاء الکتب خیرآباد سے شائع کیا ہے۔

مولانا کی کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ انھیں ہاتھ میں لینے کے بعد پورا پڑھے بغیر رکھنے کیلئے دل آمادہ نہیں ہوتا ہے، نیز دلچسپی اور جاذبیت کے ساتھ ایک ایسی اثر انگیزی ہوتی ہے کہ آنکھیں بار بار اشکبار ہوجاتی ہیں۔

مذکورہ کتاب ''نمونے کے انسان'' میں یہ تمام خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہے، جو بزرگانِ دین کے واقعات وحکایت کا ایک دلکش مجموعہ ہے، آپ بھی اس کتاب کو اپنے ہاتھوں میں لیجئے اور شوق کی نگاہوں سے پڑھئے اور مذکورہ بالا قول کو پرکھئے کہ وہ کس قدر مبنی برصداقت ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف وتبصرہ

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج

کتاب: نمونے کے انسان مؤلف: حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

مرتب: مولانا محمد عرفات اعظمی صفحات: ۳۲۰ قیمت: ۲۵۰؍روپے

ناشر: مکتبہ ضیاء الکتب، خیرآباد، ضلع مئو (یوپی) mob:09235327576

کہا جاتا ہے جہاں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر ہوتا ہے وہاں رحمتِ الٰہی کی بارش ہوتی ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ کچھ لوگوں کو جتنا فائدہ بزرگوں کی کتابوں سے ہوتا ہے اتنا ان کی صحبت میں رہ کر حاصل نہیں ہوتا، کیونکہ ہر شخص میں کوئی نہ کوئی کمزوری ہوتی ہے جو بسا اوقات ان کے ساتھ رہنے والوں کیلئے ان سے فائدہ اٹھانے کی راہ میں حجاب بن جاتی ہے، اور ان کوتاہیوں کی وجہ سے ان سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا، اس کے برعکس کتاب میں یہ بات نہیں ہوتی ہے بلکہ یہاں صرف اچھائیاں جلوہ گر ہوتی ہیں۔

حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ اپنی ذات میں خود ایک چلتا پھرتا تذکرہ تھے، انھیں بزرگوں کے واقعات وحکایات سے خصوصی شغف تھا، جس کے نتیجے میں ان کے قلم سے بعض بزرگوں کے مفصل سوانح حیات اور بعض لوگوں سے متعلق مضامین شائع ہوئے، جن میں حیات مصلح الامت، حیات سراج الامت، ذکر جامی، تذکرہ شیخ ہالیجوی، کھوئے ہوؤں کی جستجو اور حضرت چاند شاہ صاحب اور ان کا خانوادۂ تصوف مشہور ومعروف ہیں۔

انھوں نے ان تذکروں کو کس مقصد سے لکھا اس کی وہ خود وضاحت کرتے ہیں:

> '' لکھنے والے نے ان تذکروں کو اسی نیت سے لکھا ہے کہ شاید رحمت الٰہی کا کوئی جھونکا اس کی طرف متوجہ ہوجائے۔ اور پھر جہاں جہاں تک یہ تذکرے پھیلیں گے، رحمت الٰہی کا جھونکا پھیلتا جائے گا۔ اور اگر صحبت صالحین میسر نہ ہو تو یہ ذکر صالحین کچھ اس کا قائم مقام بن جائے۔ ہوسکتا ہے کہ رحمت الٰہی کی یہ چشم التفات لکھنے اور پڑھنے والوں کی سیرت میں روشنی اور نکھار پیدا کردے۔'' (کھوئے ہوؤں کی جستجو، ص:۱۶) **بقیہ ص: ۴۷ پر**